پیش نظر آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت میں واحد اور یکتا ہے اسی طرح اُس کی عبادت میں بھی کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ عمل صالح وہی ہوتا ہے جس میں ریاکاری اور سُمعہ کو قطعاً دخل نہ ہو اور اُس کو سنت کے مطابق انجام دیا جائے''۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اصل دین جس کی تبلیغ واشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا، وہ یہ تھا کہ تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کو واحد و یکتا سمجھا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''ہم نے تم سے پہلے جو بھی رسول بھیجا اُس کو یہی وحی کی ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس تم لوگ میری ہی عبادت کرو''۔ (الانبیا: ۲۵)۔

اس اصولی دعوت کا انکار کرنے والوں کی کئی قسمیں ہیں: ☆ یا تو وہ کوئی طاغوت ہے جو اللہ کی الوہیت اور ربوبیت میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی عبادت کے لئے لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ ☆ یا ایسا طاغوت ہے جو غیر اللہ کی عبادت کے لئے لوگوں کو بلاتا ہے۔ ☆ یا وہ مشرک ہے جو اللہ کے ساتھ ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے اور کئی قسم کی غیر شرعی عبادات کی وجہ سے اس غیر کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ☆ یا ایسا شخص ہے جسے توحید میں شک وشبہ ہو، یعنی اس کے دِل میں یہ شبہ ہو کہ آیا اللہ ہی سچا ہے یا اس کی عبادت میں کسی دوسرے کو شریک ٹھہرایا جائے؟ ☆ یا وہ شخص ہے جو بالکل عقل وخرد سے خالی اور کورا ہے، جو شرکیہ اعمال کو شریعت سمجھتا ہے اور شرک کو قرب الٰہی کا ذریعہ خیال کرتا ہے۔

اس آخری قسم میں اُمت محمدیہ کی اکثریت گرفتار ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ علم سے بہت دُور ہیں اور تقلید کے پھندے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ دین اسلام اپنی بے بسی پر نوحہ کناں ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو لوگ بالکل بھول گئے ہیں۔

**و عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ مرفوعا قال الله تعالىٰ اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَآءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً اَشْرَكَ مَعِیَ فِيْهِ غَيْرِیْ تَرَكْتُهٗ وَ شِرْكَهٗ** (رواہ مسلم)۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شرکت والوں سے زیادہ بے پرواہ ہوں شرک ہے۔ جو شخص کوئی ایسا کام کرے جس میں میرے ساتھ کسی غیر کو شریک کرے تو میں اُسے اور اُس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔

یہ حدیث قدسی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق میں سے کسی کی رضاء کے لئے

کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اُس سے اور اُس کے عمل بد سے بیزار ہوں، میرا اِن دونوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ایک روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''میں ایسے شخص کے عمل سے بیزار ہوں اور وہ اُس کے لئے ہوگا جس کی خاطر شرک کیا ہے''۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ اعمال جو کسی غیر اللہ کے لئے کئے جاتے ہیں اُن کی کئی قسمیں ہیں: کچھ اعمال تو ایسے ہوتے ہیں جو صرف ریا کاری کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں جیسے منافقین کے اعمال۔ اِن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جب نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو کسمساتے ہوئے محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں'' (النساء:۱۴۲)۔

ریا کاری کی یہ قسم مومنین کے فرض روزوں میں پیدا نہیں ہوسکتی بلکہ صدقات وخیرات اور حج وغیرہ اعمال میں جن کا ظاہر سے تعلق ہے اس کا پایا جانا ممکن ہے۔ یا اِن اعمال میں جن کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے ایسے اعمال میں اخلاص اِنتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ایک مسلمان کو قطعاً شک نہ کرنا چاہیئے کہ اس قسم کی ریا کاری اعمال کو ضائع کر دیتی ہے۔ اور ایسا ریا کار شخص اللہ تعالیٰ کی سزا اور اُس کی ناراضگی کا سزاوار ہے۔

کچھ اعمال ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے جاتے ہیں لیکن ان میں ریا کاری کا دخل ہوتا ہے ایسے اعمال میں اگر ریا کاری غالب آ جائے تو نصوصِ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ عمل باطل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ زیرِ نظر حدیث سے واضح ہے۔ اس کی تائید میں دوسری حدیث مسند امام احمد میں ہے جس کو شداد بن اوس سے امام صاحب نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''جو شخص دکھلاوے کی نماز پڑھتا ہے یا دکھلاوے کا روزہ رکھتا ہے یا دکھلاوے کا صدقہ وخیرات کرتا ہے تو اُس نے شرک کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو مجھ سے شرک کرے تو میں اپنے شریک سے بہترین حصہ دار ہوں جو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے تو اُس کے عمل کی ہر کوشش اور اس کا ہر کم وبیش اُس کے اُس شریک کے لئے ہے جس کو اُس نے میرا شریک بنایا، میں اُس سے بے نیاز ہوں''۔ (مسند احمد)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر بہت سی احادیث ذکر فرمانے کے بعد لکھتے ہیں کہ: ''اگر جہاد کے عمل میں ریا کاری کے علاوہ کوئی دوسری نیت کارفرما ہو جیسے خدمت کا معاوضہ یا حصولِ غنیمت کا احساس پیدا ہو جائے یا سفر جہاد میں مالِ تجارت ساتھ لے لے تو ایسی صورت میں یہ عمل بالکل ضائع نہ ہوگا بلکہ جہاد کے اجر وثواب

میں کمی واقع ہو جائے گی''۔

ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے کہا کہ: ''تجارت کرنے والے، مزدوری کرنے والے اور کرایہ پر کام کرنے والے کو جہاد میں اسی قدر اجر ملے گا جس قدر اُس کی نیت خالص ہوگی اور ان کو وہ درجہ نہ ملے گا جو ایسے آدمی کا ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے''۔

وہ شخص جو مزدوری لے کر جہاد میں شرکت کرتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''ایسا شخص اگر صرف روپے پیسے کی غرض سے جہاد میں شرکت نہیں کرتا بلکہ اُس کی نیت اعلائے کلمۃ اللہ بھی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اس شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو اپنا قرض وصول کرنے کے لئے نکلا۔ اگر مل گیا تو ٹھیک ورنہ اللہ اللہ خیر سلا''۔ مسند احمد میں سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی تم میں سے جہاد کا مصمم ارادہ کر لے ور پھر اللہ اسے رزق بھی عنایت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور تم میں سے وہ شخص جسے روپیہ پیسہ مل جائے تو جنگ میں شریک ہو جاتا ہے اور اگر کچھ نہ دیا جائے تو شرکت نہیں کرتا ایسے شخص میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول منقول ہے، وہ کرایہ کے اونٹوں والے اور مزدور اور تاجر کے حج کے متعلق فرماتے ہیں کہ: ''یہ حج مکمل ہے۔ ان کے اجر و ثواب میں کمی نہ ہوگی''۔ کیونکہ سفر حج کا مقصد صرف حج کرنا تھا، کاروبار مقصود نہ تھا۔ پھر فرماتے ہیں: ''ابتداء میں نیت خالص تھی، بعد میں ریا پیدا ہوگئی، تو اس صورت میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر ریا کار کا خیال آیا اور پھر ختم ہو گیا تو ریا کاری کا وقتی طور پر آ جانا اجر میں خارج نہ ہوگا اور اگر ریا کاری کا حملہ بدستور قائم ہے تو اس صورت میں کیا یہ عمل ضائع ہو جائے گا یا اس کی پہلی نیت پر اجر مرتب ہو گا؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے''۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عمل ضائع نہیں ہوگا بلکہ اس کی ابتدائی نیت کے مطابق اسے اجر و ثواب حاصل ہوگا۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی منقول ہے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی حدیث اس مفہوم کی مزید وضاحت کرتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس کے عمل حسنہ پر لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: مومن کو دنیا میں یہ پہلی خوشخبری ملی ہے''۔ (صحیح مسلم)۔

و عن ابی سعید رضی اللہ عنہ مرفوعاً اَلَآ اُخْبِرُکُمْ بِمَا ھُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ یَقُوْمُ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَّظَرِ رَجُلٍ (رواہ احمد)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس کا خوف مجھے تم پر مسیح دجال سے بھی زیادہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ ہاں ضرور بتایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شرک خفی ہے۔ وہ اِس طرح کہ کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہو، پھر اپنی نماز کو محض دکھلاوے کے لئے عمدہ طریق سے ادا کرے۔

صحیح ابن خزیمہ میں محمود بن لبید سے روایت ہے وہ کہتے ہیں ''ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ اے لوگو! شرک خفی سے بچو'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شرک خفی کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا ''شرک خفی یہ ہے کہ انسان نماز پڑھنے لگے تو دوسروں کے لئے نماز کو اچھی طرح ادا کرے''۔

اس شرک کو خفی اس لئے کہا گیا ہے کہ انسان لوگوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کا یہ عمل خالص اللہ کے لئے ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بباطن وہ غیر اللہ کے لئے انجام دے رہا ہے، کیونکہ وہ نماز اس لئے ٹھیک ادا کر رہا ہے کہ اُسے لوگ دیکھ رہے ہیں۔ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ترین دَور میں ہم ریاکاری کو شرکِ اصغر سمجھا کرتے تھے''۔ (ابن جریر فی التہذیب)۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''شرک اصغر میں مندرجہ ذیل افعال، اعمال اور اقوال سرفہرست ہیں:

☆ معمولی قسم کی ریاکاری۔ ☆ کسی کام کو دکھلاوے کی غرض سے اچھا کرنا۔ ☆ غیر اللہ کی قسم اٹھانا۔ ☆ ایک دوسرے کو یہ کہنا ''وہی ہوگا جو اللہ چاہے اور تم چاہو گے''۔ ☆ یہ اللہ تعالیٰ اور آپ کی طرف سے ہے۔ ☆ میں اللہ تعالیٰ اور آپ کے ساتھ ہوں۔ ☆ میرے لئے اللہ تعالیٰ اور آپ کافی ہیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ اور آپ پر ہی میرا اعتماد ہے۔ ☆ اگر اللہ تعالیٰ اور آپ نہ ہوتے تو یہ کام نہ ہوتا۔ مندرجہ بالا اُمور بعض اوقات شرکِ اکبر کا مقام بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ اس میں کہنے والے کے عقیدہ کو بہت بڑا دخل ہے''۔

اس امر میں کسی بھی اختلاف نہیں ہے کہ صحت عمل اور اس کی قبولیت میں اخلاص کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور اخلاص کے ساتھ ساتھ عمل کا مطابق سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہونا بھی عظیم ترین شرط ہے۔

فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ آیت لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''عمل خالص بھی ہو اور صواب بھی ہو''۔ دوستوں نے عرض کی کہ خالص اور صواب میں کیا فرق ہے؟ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''خالص یہ ہے کہ وہ عمل صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر کیا جائے اور صواب یہ ہے کہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ اگر عمل خالص ہو لیکن صواب نہ ہو یا صواب ہو اور خالص نہ ہو تو قبول نہیں ہوتا''۔

زیرِ نظر حدیث میں بہت سے فوائد پنہاں ہیں مثلاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و محبت اُمت کے ساتھ، اُمت کی خیر خواہی۔ صالحین اُمت کے لئے ریا کاری کو فتنہ دجال سے بھی زیادہ خطرناک محسوس فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق قوت ایمانی کے باوجود ریا کاری کا خطرہ محسوس کیا تو ان کے بعد آنے والے حضرات کی کیا وقعت اور حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ بعد میں آنے والے افراد اُمت تو بالاولیٰ شرکِ اکبر اور شرک اصغر میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

# فیہ مسائل

☆ عمل صالحہ میں جب غیر اللہ کی رضا کا دخل ہو جائے تو اس کے ضائع ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا۔ ☆ غیر اللہ کی رضا والے عمل کے ضائع ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی مستغنی اور بے پرواہ ہے۔ ☆ اس کے ضائع ہونے کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شرکاء سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں خطرہ محسوس کرنا کہ کہیں ان کے قلوب میں ریا کاری کے جراثیم نہ پیدا ہو جائیں۔ ☆ ریا کاری کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ ارشاد فرمائی کہ انسان نماز کو خالص اللہ کے لئے صحیح طور پر اطمینان سے اس لئے ادا کرے کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں

# باب

## مِنَ الشِّرْكِ اَرَادَةُ الْاِنْسَانَ بِعَمَلِهِ

## اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان اگر دنیوی اغراض

کے پیشِ نظر کوئی عمل کرے تو یہ بھی شرک کی تعریف میں آتا ہے۔

قولہ تعالٰی مَنْ کَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَھَا نُوَفِّ اِلَیْھِمْ اَعْمَالَھُمْ فِیْھَا وَ ھُمْ فِیْھَا لَا یُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا النَّارُ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْھَا وَ بٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ

جولوگ بس اِسی دُنیا کی زندگی اوراس کی خوشنمائیوں کے طالب ہوتے ہیں ان کی کارگزاری کا سارا پھل ہم یہیں ان کو دے دیتے ہیں اوراس میں اُن کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی۔مگر آخرت میں ایسے لوگوں کیلئے آگ کے سوا کچھ نہیں ہے۔(وہاں معلوم ہوجائے گا کہ) جو کچھ اُنہوں نے دنیا میں بنایا وہ سب ملیامیٹ ہوگیا اوراب ان کا سارا کیا دھرا محض باطل ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس میں اوراس سے پہلے کے ترجمہ باب میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ یہ دونوں حقیقت میں مشترک ہیں کہ جب انسان اپنے کسی عمل سے لوگوں کی نظر میں اپنے لئے تزین وتصنع اور ثناوتوصیف کی توقع رکھے تو، جیسا کہ پہلے باب میں منافقین کے سلسلے میں گزر چکا ہے، یہ ریاکاری ہے۔لوگوں کے سامنے اظہارِ تصنع کرکے طلبِ دنیا کرنا اوران سے مدحت وتکریم کے خواہاں ہونا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔اس نے اگرچہ نیک عمل کیا مگر ریاکاری اس میں تفریق پیدا کردے گی۔کیونکہ اس سے اُس نے ساز وسامانِ دنیا کی تمنا کی۔مثلاً حصولِ مال کے لئے جہاد کیا، جیسا کہ حدیث میں ہے:''بندۂ دینار ہلاک ہوگیا''۔یا غنیمت اوردیگر چیزوں کو حاصل کرنے کی غرض سے میدانِ جہاد میں نکلا جیسا کہ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی گفتگو کے آغاز میں قرآنِ مجید کی اس آیت: (ترجمہ) کہ''جو دنیا کی زندگی اوراس کی زینت کا طالب ہے'' کے معنی ومفہوم کے سلسلہ میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ودیگر مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں۔

اس ترجمہ اوراس سے بعد کے ترجمہ سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے لئے کوئی عمل کرنا شرک ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کمالِ توحید کے منافی ہے اوراس سے ذخیرۂ اعمال ضائع ہوجاتا ہے۔اعمال کے معاملے میں مفادِ دنیا کے حصول کی طلب کا جذبہ دِل میں پیدا کرنا بہت بڑی ریاکاری ہے اور ایسے شخص کے کردار پر دُنیا مسلط ہوجاتی ہے جس سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی اور مومن کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ اس قسم کے اُمور سے ہمیشہ دامن کشاں رہتا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ بیان فرماتے ہیں کہ: ''جو شخص دنیاوی زندگی میں اپنے اعمال کا بدلہ اور اس کی زیب و زینت کی خواہش کرتا ہے، ہم اُس کے اعمال کا بدلہ صحت و تندرستی، اہل و عیال اور مال و متاع میں مسرت و بہجت کی صورت میں عطا کرتے ہیں اور وہ اس میں گھاٹے میں نہیں رہتے''۔

مندرجہ بالا آیت عام تھی اور اس کو درج ذیل آیت نے خاص اور مقید کر دیا کہ: (ترجمہ) ''جو کوئی دنیا کا خواہشمند ہو اُسے یہیں ہم دے دیتے ہیں جو کچھ بھی جسے دینا چاہیں''۔ جناب قتادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''جس شخص کی نیت، خواہش اور مقصود صرف دنیا ہی ہو، اللہ تعالیٰ اُس کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیتا ہے۔ ایسا شخص دنیا سے خالی ہاتھ جاتا ہے۔ اس کے اعمال نامہ میں کوئی قابل ذکر عمل نہیں ہوتا جس کا اسے معاوضہ ملنا باقی ہو، البتہ مومن کو دنیا میں بھی اعمال حسنہ کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں بھی وہ اجر جزیل کا حقدار ہوگا''۔

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی لمبی حدیث بیان کرتے ہیں: ''شفی بن ماتع اصبحی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ انہوں نے دیکھا کہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے اندر ایک شخص کے اردگرد کثیر تعداد میں لوگ جمع ہیں۔ پوچھا کہ لوگوں نے کس شخص کو گھیر رکھا ہے؟ جواب دیا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ درسِ حدیث دے رہے ہیں۔ شفی بن ماتع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں بالکل قریب جا کر اُن کے سامنے بیٹھ گیا۔ جب درس ختم ہوا اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تو میں نے عرض کیا کہ میں آپ سے اللہ کی قسم دے کر یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے وہ حدیث سنائیں جو آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی اور یاد کی ہو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بولے: میں آپ کو وہی حدیث سناؤں گا جو میں نے اس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی تھی۔ اس وقت میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور شخص نہ تھا۔ یہ کہہ کر وہ بیہوش ہو گئے۔ کافی دیر بعد سنبھلے اور فرمانے لگے کہ آج میں تم کو وہی حدیث سناؤں گا جسے میں نے اس گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا تھا اور اُس وقت میرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ یہ کہہ کر پھر بیہوش ہو گئے۔ کافی دیر بعد ہوش میں آئے تو فرمانے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ عرشِ عظیم سے اُتر کر اپنے بندوں کے پاس آئے گا تاکہ ان کا فیصلہ کر دیا جائے اور ہر اُمت گھٹنوں کے بل گری ہوگی۔ سب سے پہلے ان تین اشخاص کو بلایا جائے گا۔ قاری قرآن کو، شہید فی سبیل اللہ کو اور مالدار کو۔ سب سے پہلے قاری قرآن سے سوال ہوگا کہ میں نے جو قرآن اپنے رسول پر اتارا تھا کیا تجھے اس کا علم نہیں سکھایا؟ قاری کہے گا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ اللہ تعالیٰ سوال کرے گا، علم کے مطابق عمل کیا؟ قاری جواب دے گا

اے رب کریم میں نے تمام دن اور رات تلاوت کرتا رہتا تھا اللہ تعالیٰ کہے گا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ فرشتے بھی یہی کہیں گے، تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا کہ تو اس لئے تلاوت کرتا تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں وہ دُنیا میں کہا جا چکا۔ مالدار شخص کو پیش کیا جائے گا اور سوال ہوگا، کیا تم کو اتنی وسعت مال نہ دی گئی کہ تو کسی کا محتاج نہ رہا؟ وہ جواب دے گا اے اللہ تو بالکل ٹھیک اور صحیح کہتا ہے! اللہ تعالیٰ پوچھے گا، جو کچھ تم کو ملا اُس کے مطابق عمل کیسا کیا؟ بندہ جواب دے گا کہ اے رب کریم! میں صلہ رحمی کرتا اور صدقہ دیتا رہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تم جھوٹ کہتے ہو۔ فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کہے گا تمہارا ارادہ یہ تھا کہ تمہیں سخی کہا جائے چنانچہ یہ دنیا میں کہا جا چکا۔ اب اس شخص کو پیش کیا جائے گا جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ کریم پوچھے گا، تم کیوں قتل ہوئے؟ بندہ جواب دے گا، اے رب کریم! تو نے جہاد کا حکم دیا اور میں تیرے راستہ میں دین کے دُشمنوں سے لڑ کر شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو جھوٹ بولتا ہے۔ فرشتے بھی کہیں گے تو جھوٹ بولتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تیرا ارادہ یہ تھا کہ لوگ تجھے بہادر کہیں اور وہ کہا جا چکا۔ یہ واقعہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے میرے گھٹنے پر ہاتھ مار کر فرمایا: اے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) یہی وہ تین قسم کے افراد ہیں جن کو قیامت کے دِن سب سے پہلے جہنم کی آگ جلائے گی۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ سے زیرِ نظر آیت کریمہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اس پر سیر حاصل بحث کی اور اس کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی، جن کا خلاصہ ہم قارئین کریم کے سامنے پیش کرتے ہیں؛ آپ نے فرمایا: ''سلف سے کچھ اعمال ایسے منقول ہیں جن پر عوام عمل کرتے ہیں مگر ان کا مطلب اور مفہوم نہیں سمجھتے مثلاً: ☆ جب ایک شخص کوئی عمل صالح اللہ کی رضا کے لئے انجام دیتا ہے جیسے صدقہ وخیرات، روزہ، نماز، رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور اُن سے حسن سلوک، یا کسی پر ظلم کرنے سے رُک گیا۔ علی ھٰذا القیاس بہت سے اعمالِ حسنہ کرتا ہے لیکن ان اعمال کی بجا آوری میں آخرت کے اجر وثواب کا متمنی نہیں ہوتا بلکہ چاہتا ہے کہ دُنیا میں ہی اُسے اس کا بدلہ مل جائے جیسے کہ وہ اپنے مال ومتاع کی حفاظت کا خواہشمند ہو، اس میں اضافے کا طلبگار رہو، اپنے اہل وعیال کی عزت وآبرو، ان کی حفاظت ذہن میں ہو اور چاہتا ہو کہ وہ عیش وآرام کی زندگی بسر کریں، ان اعمالِ حسنہ سے نہ تو وہ جنت کا طلبگار رہو اور نہ جہنم کے عذاب سے بچنے کی تمنا ہو۔ پس ایسے شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں چکا دیا جاتا ہے۔ اور آخرت میں اس کا قطعاً کوئی حصہ نہ ہوگا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس نوع کا ذکر فرمایا ہے۔ ☆ دوسری قسم پہلی قسم سے زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ کہ انسان

عمل صالح انجام دے مگر نیت میں ریا کاری اور لوگوں کو دکھلاوا ہو، آخرت میں کامیابی مدنظر نہ ہو۔ ☆ تیسری صورت یہ ہے کہ انسان اعمالِ صالحہ کی بجاآوری سے دنیاوی مال ومتاع کا خواہشمند ہو، جیسے سفر حج میں مال و متاع حاصل کرنا مقصود ہو، یا دنیا کے حصول کی خاطر، یا کسی عورت سے شادی رچانے کی غرض سے ہجرت کرے یا مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لئے جہاد جیسے حولِ عظیم میں جان خطرہ میں ڈال دے یا دینی تعلیم حاصل کرنے کی غرض یہ ہو کہ بال بچوں کا پیٹ پال سکے، یا قرآن کریم حفظ کر کے کسی مسجد کی امامت کا خواہشمند ہو، جس سے اسے اچھی خاصی تنخواہ ملنے کی توقع ہو، جیسا کہ آج کل علمائے کرام اور ائمہ مساجد کا دستور ہے۔ ☆ چوتھی قسم یہ ہے کہ عمل صالح تو رضائے الٰہی کے لئے کرے، لیکن ان اعمالِ حسنہ کے ساتھ ساتھ ایسا عمل بھی کر رہا ہو جس سے وہ دین اسلام سے خارج سمجھا جائے گا جیسے یہود ونصاریٰ کا عبادتِ الٰہی کرنا، ان کا روزے رکھنا، ان کا صدقہ وخیرات کرنا جس سے ان کی اصل مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کی رضا حاصل کر لیں اور آخرت میں کامران ہو جائیں۔ یا اسلام کا دعویٰ کرنے والے وہ افراد جو کفر وشرک میں مبتلا ہیں جس سے انسان دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہو جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ کوئی ایسا عمل صالح کریں جس سے آخرت کے عذاب سے نجات اور اللہ کی رضا چاہتے ہیں لیکن افسوس کہ ان کے کفر وشرک میں ملوث اعمال کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال بھی برباد ہو رہے ہیں۔

سلف صالحین رحمہم اللہ اس قسم کے اعمال سے بہت ڈرا کرتے تھے جن کی وجہ سے صحیح اور درست اعمال بھی ضائع ہو جائیں۔ ایک بزرگ کا قول مشہور ہے: ''اگر مجھے علم ہو جائے کہ میرا صرف ایک سجدہ اللہ تعالیٰ نے قبول کر لیا ہے تو میں موت کی آرزو کروں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ صرف متقین ہی کے اعمال قبول فرماتا ہے''۔ ☆ پانچویں اور آخری قسم یہ ہے کہ انسان پانچوں نمازوں کی پابندی، روزہ، حج، زکوۃ اور صدقہ و خیرات اللہ کی راضا اور اس کی خوشنودی کے لئے کرتا ہے اور آخرت میں اجر وثواب کا متمنی ہوتا ہے اس کے بعد کچھ ایسے اعمال کرتا ہے جن سے دنیا کا مال ومتاع حاصل کرنا مقصود ہو، جیسے فرض حج ادا کرنے کے بعد نفلی حج کرتا ہے جس سے دنیا کمانا مقصود ہو جیسا کہ اکثر لوگ آج کل کر رہے ہیں تو اس عمل پر اس کی نیت کے مطابق اجر ملے گا۔ بعض علمائے کرام نے لکھا ہے کہ قرآن کریم تین قسم کے لوگوں کا حال بیان کرتا ہے: ۱۔ اہل جنت، ۲۔ اہل جہنم کا۔ اور ۳۔ تیسری قسم اُن لوگوں کی ہے جن میں دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں، ان کے بارے میں قرآن کریم خاموش ہے۔ اس تیسری قسم میں مذکورہ بالا پانچویں قسم شامل ہے''۔

فی الصحیح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تَعِسَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ تَعِسَ عَبْدُ الدِّرْهَمِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْصَةِ تَعِسَ عَبْدُ الْخَمِیْلَةِ اِنْ اُعْطِیَ رَضِیَ وَ اِنْ لَّمْ یُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَ انْتُکِسَ وَ اِذَا شِیْکَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰی لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعَنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِیْلِ اللهِ اَشْعَثَ رَاْسُهٗ مُغْبَرَّةً قَدَمَاهُ اِنْ کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ کَانَ فِی الْحِرَاسَةِ وَ اِنْ کَانَ فِی السَّاقَةِ کَانَ فِی السَّاقَةِ اِنِ اسْتَاْذَنَ لَمْ یُؤْذَنْ لَهٗ وَ اِنْ شَفَعَ لَمْ یُشَفَّعْ

صحیح (بخاری) میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو روپے پیسے اور کپڑے لتے کا بندہ ہے وہ بدبخت ہے۔ اگر اُسے دے دیا جائے تو خوش، اگر نہ دیا جائے تو ناخوش۔ یہ بدبخت ہوا اور ٹھوکر کھائے، اگر اُسے کانٹا لگے تو نہ نکالا جائے۔ خوشخبری ہو اس بندے کو کہا اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہے۔ پراگندہ سر، خاک آلود قدم۔ اگر پہرے پر ہے تو پہرے پر، اور اگر فوج کے پچھلے حصے میں ہے تو اِسی میں اپنی ذمہ داری نبھا رہا ہے اگر رخصت مانگے تو رخصت نہ ملے اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی جائے۔

ہلاک ہو جانے، شقی اور بدبخت ہو جانے اور منہ کے بل گر جانے کو تَعِس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس شخص کے بارے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کے لئے بددعا کرنا۔

ابوالسعادات رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''طوبیٰ جنت کے مقامات میں سے ایک جگہ کا نام ہے اور بعض علماء کا خیال ہے کہ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت کا نام ہے''۔ طوبیٰ کو ایک درخت سمجھنے کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے ابن وہب نے سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طوبیٰ کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جنت میں ایک درخت کا نام ہے، جس کے نیچے سو سال تک چلنے کی مسافت ہے، اس کے خرشوں سے اہل جنت کے کپڑے برآمد ہوں گے''۔ مسند احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبارک ہے وہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا اس کے لئے طوبیٰ ہے اور وہ شخص جس نے مجھے دیکھا نہیں لیکن صرف سن کر ایمان لے آیا اس کے لئے تین بار طوبیٰ کی خوشخبری ہے۔ اُس شخص نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طوبیٰ کیا چیز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: طوبیٰ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کا سایہ سو سال تک

چلنے کی مسافت ہے۔اس کے خوشوں سے اہل جنت کی پوشاکیں برآمد ہوں گی۔

صحیح بخاری، مسلم اور دوسری کتب حدیث میں بھی احادیث مروی ہیں۔اس سلسلے میں علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عجب وغریب اثر نقل فرمایا ہے، جسے ہم قارئین کرام کے استفادہ کے لئے یہاں پورا نقل کرتے ہیں۔وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''جنت میں ایک درخت ہے جس کا نام طوبیٰ ہے۔اُس کے سایہ میں گھڑ سوار سو سال تک بھی چلتا رہے تو اُس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔اُس کے پھول ریشمی کپڑے ہوں گے۔اُس کے پتے چادریں ہوں گی۔اُس کی ٹہنیاں عنبر کی ہوں گی۔اُس کے کنکر یاقوت ہیں۔ اُس کی مٹی کافور کی ہے۔اُس کا کیچڑ کستوری ہے۔اُس درخت کی جڑوں سے شراب، دودھ اور شہد کی نہریں نکلتی ہیں۔اہل جنت کے باہم مل بیٹھنے کی یہ جگہ ہے۔ایک دفعہ وہ اپنی مجلس میں بیٹھے ہوں گے کہ اُن کے رب کی طرف سے فرشتے آجائیں گے۔وہ بڑی تیز رفتار اونٹنیاں لائیں گے جن کی مہاریں سونے کی زنجیریں ہوں گی، اُن کے چہرے خوبصورتی کے لحاظ سے چراغ کی طرح روشن ہوں گے۔اُن کی اون نرمی میں مرعزی ریشم کی طرح ہوگی۔اُن پر کجاوے ہوں گے جن کی پھٹیاں یاقوت کی ہوں گی۔پالکیاں سونے کی ہوں گی۔ اُن کے اوپر سندس، استبرق ریشم کے کپڑے ہوں گے۔فرشتے اُن کو بٹھاتے ہوئے اہل جنت سے عرض کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی زیارت اور اُسے سلام عرض کر لیں۔اہل جنت اُن گھوڑوں پر سوار ہو جائیں گے یہ گھوڑے پرندوں سے بھی زیادہ تیز رفتار چلیں گے۔بستر سے بھی زیادہ نرم ونازک ہوں گے۔وہ بغیر کسی تکلیف کے دوڑیں گے۔ہر ایک سوار اپنے ساتھی کے پہلو بہ پہلو باہم گفتگو کرتا ہوا جارہا ہوگا۔کسی سوار کا کان دوسری سواری کے ساتھ نہ چھوئے گا۔کسی کا پہلو کسی کے پہلو سے نہ لگے گا۔چلتے چلتے اگر کہیں راستے میں کوئی درخت آجائے تو خود وہ درخت راستے سے ہٹ جائے گا تاکہ ان دونوں بھائیوں میں دُوری پیدا نہ ہو جائے۔چلتے چلتے رحمٰن ورحیم کی بارگاہِ اقدس میں پہنچیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنا روشن چہرہ اُن کے سامنے کھول دے گا۔تاکہ یہ لوگ اُس کے چہرے کو دیکھ لیں۔جب زیارت کرلیں گے تو کہیں گے کہ اے اللہ! تو ہی سلام ہے اور تجھ سے ہی سلامتی حاصل ہوتی ہے۔جلال واکرام کا صرف تو ہی حقدار ہے۔اہل جنت کی یہ بات سن کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی سلام ہوں اور سلامتی مجھ سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔میری جنت اور رحمت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے۔میں اپنے بندوں کو خوش آمدید کہتا ہوں جو مجھے دیکھے بغیر مجھ سے ڈرتے رہے اور میرے احکام پر عمل کرتے رہے۔اہل جنت عرض کریں گے کہ اے اللہ!

ہم تیری کما حقہ عبادت نہ کر سکے اور تیری قدر کا بھی حق ادا نہ کر سکے۔ لہٰذا ہمیں اجازت دے کہ تیرے سامنے تجھے سجدہ کریں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ جگہ عبادت اور تکلیف کی نہیں ہے۔ یہ ایسا گھر ہے جہاں سے انعام و اکرام کی بارش ہوگی۔ میں نے اب عبادت کرنے کا بوجھ ختم کر دیا ہے۔ اب جو چاہتے ہو سوال کرو کیونکہ اس وقت جو مانگو گے وہ ملے گا۔ چنانچہ کم از کم جس کا سوال ہوگا وہ یہ ہوگا کہ اے اللہ! دنیا والے دنیا کے حصول میں ایک دوسرے کی ریس کرتے رہے اور باہم خطرہ میں مبتلا رہے۔ اے میرے رب تو مجھے ہر وہ چیز عطا کر چکا جو دنیا والوں کو تو نے ابتدائے آفرینش سے لے کر دنیا ختم ہونے تک دی تھی۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آج تیری آرزوئیں بڑی مختصر ہیں۔ تو نے اپنے مرتبہ کے سوال نہیں کیا۔ یہ تو میں نے تجھے دیا اور میں تجھے اپنے مرتبے کے مطابق تحفہ دوں گا۔ کیونکہ میری عطا میں بخیلی اور کوتاہی نہیں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے بندوں کے سامنے وہ چیزیں پیش کرو جہاں تک اُن کی آرزوئیں نہیں پہنچیں اور ان کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آیا۔ پھر دوسرے ان کو یاد دلائیں گے۔ یہاں تک کہ ان کی آرزوئیں ختم ہو جائیں گی۔ یعنی وہ ساری چیزیں جو اُن کے دل میں ہوگی پھر جو وہ ان پر پیش کریں گے ان میں گھوڑے بھی ہوں گے۔ ہر چار جتے ہوئے گھوڑوں پر ایک ہی یاقوت کا تخت بچھا ہوا ہوگا۔ اور ہر تخت پر خالص سونے کا ایک قبہ ہوگا ان میں سے ہر قبے میں جنتی بستر بچھے ہوں گے۔ ان میں سے ہر قبے میں نوجوان سفید رنگ موٹی موٹی آنکھوں والی حوریں ہوں گے۔ ان میں سے ہر لڑکی پر جنتی کپڑوں میں سے دو کپڑے ہوں گے اور جنت کا کوئی رنگ ایسا نہ ہوگا جو اِن دونوں کپڑوں میں نہ ہو۔ اور کسی عطر کی خوشبو ایسی نہ ہوگی جس کی مہک ان کپڑوں سے نہ آتی ہو۔ ان کے چہروں کی چمک قبے کی دبیز تہوں سے پار ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ جو اُن کو دیکھے گا وہ سمجھے گا کہ یہ قبے سے باہر ہیں۔ ان کی ہڈی کا گودا پنڈلی کے اوپر سے ایسا نظر آئے گا جیسے سرخ یاقوت میں سفید دھاگہ پرو رکھا ہو۔ وہ عورتیں اپنے شوہر کو دیکھ کر محسوس کریں گی کہ اس کو اپنی سہیلیوں پر ایسی فضیلت ہے جیسے سورج کو پتھر کے ٹکڑے پر، یا اس سے بھی بہتر اور وہ بھی ان دونوں کو ایسا ہی دیکھے گا۔ پھر جنتی شخص اُن کے پاس جائے گا تو وہ اُسے سلام کہیں گی۔ اُس کا بوسہ لیں گی۔ اور اُس سے بغل گیر ہوں گی اور اس سے کہیں گی اللہ کی قسم ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اللہ نے تجھ جیسے آدمی پیدا کئے ہوں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ملائکہ کو حکم دے گا اور وہ فرشتے ان اہل جنت کو جنت میں صف بنا کر لے چلیں گے۔ اور چلتے چلتے اُس مقام تک جا پہنچیں گے جو اُن کے لئے رب کریم نے تیار کیا ہے''۔

ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو وہب بن منبہ سے ہی روایت کیا ہے۔ ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں مندرجہ ذیل الفاظ زائد ہیں: ''اپنے رب کریم کے عطیات کو دیکھو جو تمہیں دیئے گئے ہیں۔ بلند بارگاہ میں قبے ہوں گے اور موتی اور مونگے سے بنے ہوئے بالا خانے ہوں گے اور ان کے دروازے سونے کے ہوں گے ان کی چار پائیاں یاقوت کی ہوں گی۔ ان کے ستر سندس اور استبرق کے ہوں گے اور ان کے منبر نور کے ہوں گے ان کے دروازوں اور صحنوں سے اس طرح کا نور نکلے گا کہ سورج کی شعائیں اس کے مقابل ایک ستارے کی حیثیت رکھتی ہوں گی، جبکہ وہ دن کی تیز روشنی میں ہو۔ پھر اعلیٰ علیین میں یاقوت کے بلند محل ہوں گے۔ ان کی روشنی چمکتی ہوگی۔ اگر وہ روشنی تابع فرمان نہ ہوتی تو آنکھیں چندھیا جاتیں۔ پھر ان محلوں میں جو محل سفید یاقوت کے ہوں گے اُن میں فرش بھی سفید ریشم کا ہوگا اور جو محل سبز یاقوت کے ہوں گے وہاں فرش بھی سبز سندس کا ہوگا اور جو محل زرد ریشم کے ہوں گے اُن میں فرش بھی زرد ریشم کا ہوگا اُن کے دروازے سبز زمرد اور سرخ سونے اور سفید چاندی کے ہوں گے اُن کے ستون اور گوشے جواہرات کے ہوں گے اور اُن کے بالا خانے موتیوں کے قبے ہوں گے اور اُن کے برج مونگے کے کمرے ہوں گے پھر جب وہ اللہ تعالیٰ کے عطیات کی طرف واپس آنا چاہیں گے تو سفید یاقوت کے گھوڑے ان کے پاس لائے جائیں گے جن میں روح ہوگی ان کے نیچے ہمیشہ رہنے والے لڑکے ہوں گے۔ ہر بچے کے ہاتھ میں ان گھوڑوں میں سے ایک ایک گھوڑے کی لگام ہوگی اور ان کی لگامیں سفید چاندی کی ہوں گی جن پر موتی اور یاقوت جڑے ہوں گے اور ان پر بلند تخت بچھے ہوں گے سندس اور استبرق پڑا ہوگا وہ گھوڑے ان جنتیوں کو لے کر دوڑتے آئیں گے۔ جنت کے باغوں کو دیکھیں گے جب اپنے اپنے محلات تک پہنچیں گے تو سامنے فرشتوں کو بیٹھا ہوا پائیں گے جو نور کے ممبروں پر بیٹھے اُن کا انتظار کر رہے ہوں گے تاکہ ان کی زیارت کریں اور ان سے مصافحہ کرنے کا شرف حاصل کریں اور رب کریم کی تکریم پر مبارکباد پیش کریں جب اپنے اپنے محلات میں داخل ہوں گے تو اُس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل و احسان کیا ہوگا۔ اور جو انہوں نے مانگا ہوگا اور جس کی خواہش کی ہوگی وہ دیکھیں گے کہ ان محلوں میں سے ہر محل کے دروازے پر چار چار باغ ہوں گے دو باغ تو بڑے لمبے ٹہنوں والے ہوں گے اور دو باغ نہایت سرسبز ہوں گے اور اس میں دو چشمے جوش مار رہے ہوں گے اور اس میں ہر میوے کے جوڑے ہوں گے۔ اور سیاہ آنکھوں والی حوریں خیموں میں ہوں گی جب یہ لوگ اپنے محلات میں آرام سے بیٹھ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تمہارے رب نے جو تم سے وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا یا نہیں؟ اہل

جنت عرض کریں گے کہ اللہ کی قسم وہ پورا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ پھر سوال کرے گا کہ کیا تم اپنے رب کے اجر وثواب پر خوش ہو؟ اہل جنت عرض کریں گے اے اللہ! ہم راضی ہیں تو بھی ہم پر راضی ہو جا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میری رضا کی وجہ سے ہی تم کو میں نے اپنے گھر میں جگہ دی ہے اور میری رضا کی بدولت ہی تم کو میرا چہرہ دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اہل جنت عرض کریں گے: تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے ہیں جو ہم سے غم کو لے گیا، بیشک ہمارا رب بخشنے والا اور قدر دان ہے۔ وہ جس نے ہمیں مستقل گھر میں اپنے فضل وکرم سے اتارا، ہمیں یہاں کبھی تکلیف نہ ہوگی اور نہ ہمیں کبھی تھکاوٹ ہوگی''۔ یہ عجیب وغریب اثر جو نقل کیا گیا ہے اس کے اکثر الفاظ کی تصدیق صحیحین کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔

# فیہ مسائل

☆ وہ عمل جو آخرت کے لئے تھا اُس سے دنیا طلب کرنا۔ ☆ بعض اوقات مسلمان کا نام بھی درہم ودینار کا بندہ رکھا جاتا ہے۔ ☆ اس کی صورت یہ ہے کہ اگر اس کی آرزو پوری ہوگئی تو راضی ورنہ ناراض۔ ☆ جو مجاہد مذکورہ صفات کا حامل ہو اُس کی تعریف۔

# باب

**من اطاع العلماء والامرا فی تحریم ما احل اللہ او تحلیل ما حرم اللہ فقد اتخذھم اربابا من دون اللہ**

## اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال وحرام کی پرواہ کئے بغیر علما اور اُمراء کی اطاعت کرتا ہے وہ مشرک ہے کیونکہ اُس نے اللہ کے سوا اُن لوگوں کو رب قرار دے لیا ہے۔

**و قال ابن عباس رضی اللہ عنہ یُوْشَکَ اَنْ تُنْزِلَ عَلَیْکُمْ حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ تَقُوْلُوْنَ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ وَّ عُمَرُ**

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ''قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں میں کہتا ہوں یہ رسول

اللہ ﷺ کا فرمان ہے اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے یوں کہا۔

اس باب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو شخص اللہ کی طرف سے حلال اور حرام کی پروہ کئے بغیر علماء اور امراء کی اطاعت کرتا ہے وہ مشرک ہے کیونکہ اس نے اللہ کے سوا ان لوگوں کو رب قرار دے لیا ہے۔ اس کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیت ہے: (ترجمہ) ''انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنا لیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی حالانکہ ان کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، پاک ہے وہ ان مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں'' (التوبہ:۳۱)

اس آیت پر تفصیلی گفتگو گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے اور سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ والی حدیث پر بھی سیر حاصل بحث ہو چکی ہے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ حج تمتع کے قائل نہ تھے، ان کی رائے یہ تھی کہ تمتع سے حج اِفراد افضل ہے اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ تمتع کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تو حج اِفراد کو افضل قرار دیتے ہیں اور آپ تمتع کو کیوں واجب ٹھہراتے ہیں؟ اس کے جواب میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ جب بیت اللہ کا طواف کر لیا اور صفا مروہ کے درمیان سات دفعہ دوڑ بھی لیا تو اپنے عمرہ سے حلال ہو گیا۔ وہ یہ چاہے یا نہ چاہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حج تمتع کے افضل ہونے کی دلیل سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ والی حدیث تھی جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص طوافِ بیت اللہ اور سعی بین الصفا والمروہ کر لے تو اسے اپنے حج کو عمرہ میں تبدیل کر لینا چاہیئے۔ اس پر سیدنا سراقہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! یہ حکم اسی سال کے لئے خاص ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ حکم ہمیشہ کے لئے ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی مروی ہے۔

واضح احادیث کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ علمائے کرام یا ائمہ عظام کے دلائل اور ان کے اقوال کو ان پر ترجیح دے کیونکہ قرآنِ کریم نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے: (ترجمہ) ''اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔ (النساء:۵۹)۔

تمتع کی افضلیت پر صحیح بخاری و مسلم اور دوسری کتب احادیث میں مندرجہ ذیل حدیث موجود ہے جس

میں آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''جو مجھے اب معلوم ہوا ہے اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو میں قربانی نہ لاتا اور اگر میرے پاس قربانی نہ ہوتی تو میں احرام کھول دیتا''۔

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''میں جو تمہیں حکم دیتا ہوں وہی کرو اور اگر میں قربانی نہ لایا ہوتا تو میں بھی وہی کچھ کرتا جس کا تمہیں حکم دے رہا ہوں''۔ چنانچہ بعض لوگوں نے جب سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بات سے صحیح حدیث کا معارضہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پیش کیا تو اس وقت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا: ''قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر برسیں''۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب کسی شخص کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا طریقہ اور آپ ﷺ کا ارشاد واضح ہو جائے تو اُسے چاہیئے کہ وہ کسی شخص کے قول کی بنا پر ارشادِ نبوی ﷺ ترک نہ کرے''۔ امام مالک رحمہ اللہ نے (مدینہ منورہ مسجد نبوی میں درس دیتے ہوئے) فرمایا تھا کہ ''ہم میں سے ہر شخص کی بات کو ردّ کر کیا جا سکتا ہے اور قبول بھی جا سکتا ہے، مگر (رسول اللہ ﷺ کی قبر کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) اس صاحب قبر کی حدیث کو ترک نہیں کیا جا سکتا''۔

علمائے کرام رحمہم اللہ وقوعِ مسائل کے وقت ہمیشہ اجتہاد کرتے رہے۔ پس جس شخص کا اجتہاد صحیح ہوا اُسے دُہرا اجر ملے گا اور جس شخص نے اجتہاد میں غلطی کھائی اُسے اس کی محنت اور اجتہاد کا اجر ملے گا جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ میں مذکور ہے۔ لیکن مجتہد علماء کا یہ دستور تھا کہ جب ان پر کوئی دلیل واضح ہو گئی تو اس پر عمل کر لیا اور اجتہاد ترک کر دیا۔ ائمہ کرام نے اجتہاد سے اُس وقت کام لیا جب کہ ان کے علم میں رسول اللہ ﷺ کا صحیح فرمان نہ تھا، یا علم تھا لیکن اس میں دوسرا فرمانِ رسالت مآب ﷺ بھی موجود پایا تو اس صورت میں اُنہوں نے اجتہاد سے مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش فرمائی۔

آئمہ اربعہ رحمہم اللہ کے دور میں طلب حدیث کی صورت یہ تھی کہ براہِ راست اُستاذ کے پاس جا کر سماعِ حدیث کی جاتی تھی اور اس سلسلے میں کئی کئی سال کا سفر کر کے حدیث حاصل کی جاتی تھی۔ اس کے بعد یہ دَور آیا کہ احادیث کو کتابی صورت میں مُدوّن کر دیا گیا اور باقاعدہ اسناد سے حدیث کو درج کیا جانے لگا۔ اور ہر حدیث کے متعلق یہ وضاحت کی گئی کہ یہ صحیح ہے یا حسن ہے یا ضعیف ہے یا موضوع۔ فقہائے کرام نے مختلف مذاہب کی روشنی میں باقاعدہ کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان میں مجتہدین کے دلائل ذکر کئے جس سے ایک طالب حق کے لئے صحیح راستہ آسانی سے معلوم ہو گیا۔ ہر امام نے اپنے اجتہاد کے لئے دلیل کا ذکر کرنا بھی

ضروری سمجھا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پوری وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا جائے اور پھر بھی وہ اپنے امام کی تقلید کی وجہ سے حدیث رسول ﷺ کو تسلیم نہ کرے تو اس کی سختی سے تغلیط کرنی چاہیئے کیونکہ وہ جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کو ترک کر رہا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم میں سے ہر شخص کی بات کو قبول اور ردّ کیا جا سکتا ہے، سوائے رسول اللہ ﷺ کے ارشادِ گرامی کے''۔

پس ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے کسی عالم یا امام کے قول کو ترجیح دیتا ہے، اس سے انکار کرنا واجب ہے کیونکہ کسی مجتہد یا امام کی بات کو تسلیم کرنا صرف ان مسائل اجتہادی تک جائز ہے جن میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ میں ان کی وضاحت نہ ملتی ہو، لیکن جس مسئلہ میں کتاب و سنت سے واضح رہنمائی ہوتی ہو اُس میں اجتہاد کی تردید ضروری ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات سے ثابت ہو چکا ہے۔

**و قال الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ عَجِبْتُ لِقَوْمٍ عَرَفُوا الْاِسْنَادَ وَ صِحَّتَهٗ وَ يَذْهَبُوْنَ اِلٰى رَاْيِ سُفْيَانَ وَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (النور:٦٣) لَعَلَّهٗ اِذَا رَدَّ بَعْضَ قَوْلِهٖٓ اَنْ يَّقَعَ فِيْ قَلْبِهٖ شَيْءٌ مِّنَ الزَّيْغِ فَيُهْلِكُ**

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اُن لوگوں پر سخت تعجب ہے جو صحت حدیث کے بعد بھی جناب سفیان رحمۃ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔ جب انسان رسول اللہ ﷺ کی کسی بات کو چھوڑ دے تو اُس کے دل میں کجی پیدا ہو جانے کا امکان اُبھر آتا ہے جس سے اس کی ہلاکت یقینی ہے''۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام فضل بن زیاد اور ابو طالب نقل کرتے ہیں۔ فضل بن زیاد نے امام احمد سے مزید مندرجہ ذیل کلام نقل کیا ہے جس میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اطاعت رسول ﷺ کو قرآن کریم میں تینتیس مقامات پر بیان کیا گیا ہے پھر امام صاحب نے قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی: (ترجمہ) ''رسول

کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آ جائے''۔(النور:۶۳)۔

امام صاحب نے اس آیت میں مذکور فتنے کو شرک سے تعبیر کیا ہے۔اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

(ترجمہ)''نہیں، اے محمد (ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن ہو نہیں سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو فیصل نہ مان لیں پھر آپ جو بھی فیصلہ کریں اس کے بارے میں اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔(النساء:۶۵)۔

ابو طالب کہتے ہیں؛ امام صاحب سے پوچھا گیا کہ:''بعض لوگ حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کرتے ہیں تو امام صاحب نے فرمایا:''مجھے اُن لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جنہوں نے حدیث رسول ﷺ سنی پھر اس کی سند کی صحت کے بعد اُسے چھوڑ کر سفیان رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کے قول کو ترجیح دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیئے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب نہ آ جائے۔تمہیں معلوم ہے کہ فتنہ کسے کہتے ہیں؟''فتنہ سے مراد کفر ہے''۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ''فتنہ قتل سے بھی گھناؤنا فعل ہے''۔حدیث رسول ﷺ کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی میں وہ اپنی آراء پر عمل کرتے ہیں''۔شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مذکورہ بالا قول کو نقل کیا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ان لوگوں کی سخت تردید کر رہا ہے جو کتاب وسنت کے ہوتے ہوئے آئمہ کے اقوال کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ اس سے انسان کا دل قبول حق سے برگشتہ ہو جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کفر تک پہنچ جاتا ہے۔آج کل مسلمانوں کی اکثریت اسی مرض میں مبتلا دکھائی دیتی ہے خصوصاً جن لوگوں کو اہل علم کہا جاتا ہے، وہ اس کی عین زد میں ہیں، انہوں نے ایک ایسا جال بچھا رکھا ہے جس سے گزر کر عام آدمی کتاب وسنت اور اتباعِ رسول ﷺ کی منزل تک پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اوامر و نواہی کی پوری طرح عظمت کر سکتا ہے اس قسم کے علماء کے اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ:''قرآن و حدیث سے استدلال مجتہد ہی کر سکتا ہے، اور اجتہاد کا دروازہ اب بند ہو چکا ہے''۔

ان لوگوں نے اس مسئلہ میں غلطی کھائی ہے۔امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوگا:''میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، ان کی مخالفت کرنے اور

اُنہیں رُسوا کرنے والا انہیں کوئی گزند نہ پہنچا سکے گا حتی کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آ جائے''۔

ان لوگوں کے خطرناک اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے: ''جس کی میں تقلید کر رہا ہوں وہ حدیث اور حدیث کے ناسخ ومنسوخ کو تم سے بہتر سمجھتا تھا''۔اسی قسم کی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جو وہ کرتے ہیں اور جن کا اصل مقصد یہ ہے کہ انسان رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے، جن کی صفت ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے: (ترجمہ) ''ہمارا پیغمبر ﷺ اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا'' دُور ہٹ جائے۔ یہ لوگ اُن افراد پر اعتماد کرتے ہیں جن سے خطا اور غلطی کا ہر وقت امکان ہے کیونکہ ہر امام کے پاس شریعت کا پورا علم نہیں بلکہ کچھ حصۂ علم ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو چاہیئے کہ جب اُس کے سامنے کتاب وسنت کا حکم واضح ہو جائے تو وہ تمام آئمہ کے اقوال کو چھوڑ کر کتاب وسنت کو اپنا رہبر بنائے اور اس پر عمل کرے اور اس سلسلے میں کسی بڑے سے بڑے امام اور مجتہد کی مخالفت کی پروا نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''لوگو! جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے رب کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی مانتے ہو''۔(اعراف:۳)۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی رہنمائی کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور کیا ان لوگوں کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ہے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں''۔(عنکبوت:۵۱)۔

سابقہ صفحات میں اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کے اجماع کا فیصلہ گزر چکا ہے اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ مقلد کو اہل علم میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ابوعمر بن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مسئلہ پر اجماعِ اُمت بیان کیا ہے۔

علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''کتاب وسنت کے احکام واضح ہو جانے کے بعد اس بارے میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں ائمہ کے قول کو چھوڑ دیا چاہیئے البتہ مقلدین کا گروہ اپنی بات پر مصر رہتا ہے خواہ کتاب وسنت کی مخالفت ہی ہو رہی ہو۔ کیونکہ یہ لوگ کتاب وسنت سے بے بہرہ ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن وحدیث سے کوئی شغف اور محبت نہیں رکھتے بلکہ صرف اپنے امام کے قول کو تسلیم کرتے ہیں۔ افسوس اس بات پر ہے کہ یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ائمہ کی اتباع کر رہے ہیں حالانکہ یہ لوگ ائمہ کرام کی مخالفت میں لگے ہوئے ہیں اور ان کی راہ سے بالکل دُور ہیں۔ البتہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے کچھ اشارہ ملتا ہے کہ اگر کتاب وسنت کی کوئی واضح دلیل سامنے نہ ہو تو کسی بھی امام

کی بات کو وہ صحیح سمجھتا ہو عمل کیا جا سکتا ہے۔ ہاں! جس شخص کے سامنے کتاب وسنت کے دلائل موجود ہوں اور پھر وہ کسی امام کے قول کی وجہ سے کتاب وسنت پر عمل نہ کرے تو ایسے شخص کی مخالفت کرنی چاہیئے۔ مقلدین چونکہ کتابُ اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے اعراض کناں ہیں اور اس کا مطالعہ نہیں کرتے، اور مطالعہ کا موقع ملتا بھی ہے تو علما اور فقہا کی کتب کے مطالعہ میں ڈوبے رہتے ہیں اور اس کے مقابلے میں کتابُ اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے اعمال میں ترکِ سنت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کی مثال بالکل یہود ونصاریٰ جیسی ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو اللہ کے سوا رَبّ بنا لیا ہے۔ اس آیت کریمہ کی مزید تشریح سیدنا عدی بن حاتم ﷺ کی روایت کرتی ہے جو آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔ ان شاء اللہ۔

پس جو شخص اپنی اصلاح کا خواہشمند ہے اُسے چاہیئے کہ علمائے کرام اور آئمہ عظام کی کتب کا مطالعہ کرتے وقت ان کے دلائل کی کتابُ اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مطابقت پیدا کر لے کیونکہ مجتہدین اور ان کے متبعین اہل علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کوئی بات کہتے وقت اس کی دلیل بھی ذکر کریں۔ اس لئے کہ مسائل میں حق بات تو ایک ہی ہوتی ہے۔ حق کے متلاشی اور انصاف پسند شخص کو چاہیئے کہ وہ آئمہ اور علماء کے دلائل کو خوب پرکھ لے اور کتاب وسنت سے ملا لے تا کہ کتاب وسنت کے مطابق مسئلہ کی صحت واضح ہو جائے اور خطاو غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔ اس چھان بین کے سلسلے میں کتاب وسنت میں بیشمار دلائل موجود ہیں۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ نے بھی تقلید کی تردید اور مخالفت میں کوئی کمی نہیں رہنے دی۔ کتاب وسنت کی موجودگی میں وہ تقلید کے بالکل قائل نہ تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اُنہیں بعض مسائل کا علم نہیں ہے جس کا کسی دوسرے شخص کو علم ہو سکتا ہے۔ اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کو بہت سے مسائل کا علم تھا اس سلسلے میں اُن کے لئے بیشمار اقوال موجود ہیں چنانچہ اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ سے جب حدیث مل جائے تو سر آنکھوں پر، جب صحابہ کرام کا عمل ہمارے سامنے ثابت ہو جائے تو سر آنکھوں پر، اور اگر تابعین کا قول ہو تو پھر وہ اور ہم سب انسان (برابر) ہیں''۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ایک موقع پر فرمایا: ''اگر میں ایک بات کہوں اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہو تو میرا قول اس کے مقابلے میں مسترد کر دو۔ امام صاحب سے عرض کیا گیا کہ اگر آپ کا قول رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہو تو؟ امام صاحب نے کہا کہ پھر بھی میرے قول کو رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مقابلے میں ترک کر دو۔ سوال کیا گیا کہ اگر آپ کا قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف

ہوتو؟امام صاحب نے فرمایا کہ صحابہ کے قول کے ہوتے ہوئے میرے قول کو چھوڑ دو''۔

ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ:''اگر میری کتاب میں میرا کوئی قول سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دیکھوتو میرے قول کو چھوڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق عمل کرو''۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل قول سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے،آپ فرماتے ہیں ''اگر میرا قول صحیح حدیث کے خلاف ہوتو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ہر آدمی کی بات پر عمل بھی کیا جاسکتا ہےاوراُس کو چھوڑا بھی جاسکتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو تسلیم کرنا فرض ہے''۔

آئمہ کرام رحمہم اللہ کی ان تصریحات کے بعد کسی شخص کی پاس کوئی وجہ جواز نہیں کہ وہ خواہ مخواہ کسی امام کے قول کو کتاب وسنت کے مقابلے میں تسلیم کرے۔تقلید کے ردّ میں علمائے کرام نے جو اِرشادات فرمائے ہیں اگر ہم ان سب کا یہاں ذکر کریں تو اختصار سے دُور نکل جائیں گے لہٰذا ایک طالب حق اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے کے لئے آئمہ کے مندرجہ بالا ارشادات کافی ہیں۔

اگر کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو ٹھکرادیا تو پھر اس کے قلب میں کجی کا واقع ہوجانا لازمی ہے جس کا نتیجہ ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ نہیں۔پتا چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو ترک کرنے سے انسان کے دل میں کجی اور ٹیڑھ پیدا ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے دُنیا اور آخرت میں ہلاکت یقینی ہے۔ قرآن کریم اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے:(ترجمہ)''پھر جب انہوں نے ٹیڑھ اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دل ٹیڑھے کردیئے۔اللہ تعالیٰ فاسقوں کو ہدایت نہیں کرتا''۔(الصّف:۵)۔

قرآن کریم کی آیت ''فَلْيَحذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ''کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کرنے والے کو شرک وکفر اور عذابِ الیم سے ڈرایا گیا ہے۔لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کفر کا موجب ہوسکتی ہے اور عذاب الیم میں مبتلا کرسکتی ہے۔یادرہے محض معصیت،عذابِ الٰہی کا باعث بن جاتی ہے،اور اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو حقارت سے ردّ کردے تو اس سے وہ کفر کی دلدل میں پھنس جاتا ہے''۔

**عن عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقْرَاُ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ فَقُلْتُ لَهٗ اِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ قَالَ اَلَيْسَ يُحَرِّمُوْنَ**

مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ فَتُحَرِّمُوْنَہٗ فَقُلْتُ بَلٰی قَالَ فَتِلْکَ عِبَادَتُھُمْ (رواہ الترمذی وحسنہ، واحمد)۔

عدی بن ابی حاتم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا کہ: ''انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا ہے اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی۔ حالانکہ اُن کو ایک معبود کے سوا کسی کی بندگی کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، وہ جس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں پاک ہے وہ اُن مشرکانہ باتوں سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔ تو عدی رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ ہم تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا اے عدی اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دیتے وقت تم ان کی بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے؟ عدی رضی اللہ عنہ بولے یہ تو درست ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہی اُن کی عبادت ہے

چنانچہ جن آئمہ کرام کی تقلید کی جارہی ہے وہاں یہ شرک پوری طرح پایا جاتا ہے کیونکہ یہ لوگ اپنے امام کی مخالفت میں کتاب وسنت کی پروانہیں کرتے۔ اور نہ قرآن وحدیث کے دلائل پر ان کو اعتماد ہے۔ اور بعض غالی قسم کے مقلد اپنے امام کی مخالفت کی صورت میں کتاب وسنت پر عمل کرنا مکروہ بلکہ حرام سمجھتے ہیں اور یہ کہہ کر کتاب وسنت کو ترک کردیتے ہیں کہ ''ہمارے امام کو ان دلائل کا زیادہ علم تھا، دلائل پر غور کرنا صرف مجتہد کا کام ہے''۔ جو شخص ان کے سامنے کتاب وسنت کے دلائل پیش کرتا ہے، اکثر اوقات اس کی مذمت اور مخالفت پر اُتر آتے ہیں بلاشبہ یہ اسلام سے بُعد (یعنی دُوری) اختیار کرنے کی بہت بڑی دلیل ہے؟ حالات اس قدر متغیر ہو چکے ہیں کہ نتیجہ ہر شخص کے سامنے ہے، اور سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہے کہ اکثر لوگ پیروں کی اس عبادت کو تمام اعمال سے افضل سمجھتے ہیں۔ اس کا نام بدل کر ولایت رکھ دیا گیا ہے۔ علماء کی عبادت انکے علم وفقہ کو ماننا ہے حالات کی سنگینی یہاں تک جا پہنچی ہے کہ اب ایسے لوگوں کی عبادت کی جانے لگی ہے جو صالحین میں سے بھی نہیں اور اب علماء کی جگہ جہلا کی عبادت بھی شروع ہوچکی ہے۔

کتاب وسنت کے مقابلے میں اُمراء اور سلاطین کی اطاعت کرنا کوئی نئی بات نہیں خلفائے راشدین کے بعد سے آج تک مسلسل اس عذاب میں اُمت گرفتار ہے۔ ''پھر اگر یہ لوگ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (القصص: ۵۰)۔

زیادہ بن حُدیر کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تمہیں معلوم ہے کہ کون سی چیز اسلام کو مٹا دیتی ہے؟ میں نے عرض کی کہ نہیں۔ فرمایا: عالم کی لغزشِ قدم، منافق کا قرآن کریم کو جھگڑے کا ذریعہ بنانا

اور گمراہ حکمرانوں کا فیصلہ اسلام کی عمارت کو گرانے کا سبب بنتا ہے''۔ (رواہ دارمی)۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کو قبول کرنے والوں، اور اس کی اطاعت کرنے والوں میں سے بنا دے۔ آمین۔

# باب

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا

اے نبی! تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کیلئے طاغوت کی طرف رجوع کریں، حالانکہ اُنہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر راہِ راست سے بہت دُور لے جانا چاہتا ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کتاب وسنت سے اعراض کر کے باطل جگہوں سے فیصلہ کراتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے طاغوت سے تعبیر کیا جاتا ہے

گزشتہ صفحات میں گذر چکا ہے جس میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ طاغوت کے بارے میں وضاحت سے فرماتے ہیں کہ: ''اپنے معبود ومتبوع اور مطاع کی مقرر کردہ حدود سے آگے نکل کر کوئی شخص کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی دوسری جگہ سے فیصلہ کراتا ہے تو گویا وہ اپنا فیصلہ طاغوت کے ہاں لے گیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو انکار کرنے کا حکم دیا ہے کیونکہ فیصلہ صرف کتاب اللہ اور سنت

رسول ﷺ سے ہی ہونا چاہیئے اور جس شخص نے کتاب وسنت کو نظر انداز کر دیا اور دوسرے دروازوں پر دستک دی تو اس نے حدود مقررہ سے آگے قدم زن ہونے کی جسارت کی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے جو حدود متعین فرمائی تھیں ان حدود سے باہر نکل گیا اور کتاب وسنت کہ خلاف احکام کو وہ حیثیت دی جس کے وہ ہرگز مستحق نہ تھے''۔

یہی صورت حال اُس شخص کی ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ بھی اصل میں طاغوت ہی کی عبادت میں مشغول ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں۔ غیر اللہ کی عبادت دو حال سے خالی نہیں پہلی صورت یہ ہے کہ ایسے شخص کا معبود اگر صالح انسان ہے تو اس کی عبادت شیطان کی عبادت تصور ہوگی ایسی عبادت کرنے والوں کے بارے میں قرآن کریم کہتا ہے: (ترجمہ) ''جس روز ہم ان سب کو ایک ساتھ اپنی عدالت میں اکٹھا کریں گے پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہیں گے کہ ٹھہر جاؤ تم بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی پھر ہم انکے درمیان اجنبیت کا پردہ ہٹا دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ ''تم ہماری عبادت تو نہیں کرتے تھے! ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ (تم اگر ہماری عبادت کرتے بھی تھے تو) ہم تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ اُس وقت ہر شخص اپنے کئے کا مزہ چکھ لے گا، سب اپنے حقیقی مالک کی طرف پھیر دیئے جائیں گے اور وہ سارے جھوٹ جو انہوں نے گھڑ رکھے تھے گم ہو جائیں گے'' (یونس: ۲۸ تا ۳۰)

دوسری صورت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس اور خواہش کی عبادت کی طرف لوگوں کو دعوت دے یا شجر وحجر یا کسی ولی اللہ کی قبر کی عبادت کرنے کا پرچار کرے، جیسے مشرکین اپنے اصنام وغیرہ کی، جو صالحین اور ملائکہ کی شکل وصورت میں بنا کر رکھے گئے تھے، عبادت کرتے تھے تو یہ وہ طاغوت ہے جس کی عبادت کرنے سے خود اللہ تعالیٰ نے روکا ہے لوگوں کو ان سے اظہارِ برات کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی ہو، اگر اس کی عبادت کی گئی تو یہ شیطانی فعل ہوگا۔ شیطان نے اپنے ان قبیح افعال اور مذموم اعمال کو بڑے مزین اور انتہائی خوبصورت بنا رکھا ہے یہ ایسے افعال ہیں جو توحید اور کلمہ لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کے بالکل الٹ ہیں۔ توحید کی اصل یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر طاغوت کا انکار کر دے جس کی کسی نہ کسی صورت میں عبادت کی جا رہی ہو۔ اس سلسلے میں قرآن کریم کا حکم یہ ہے: (ترجمہ) ''تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا: ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہوگئی اور

بیر پڑ گیا جب تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ''۔ لہٰذا جو شخص غیر اللہ میں سے کسی کی عبادت کرتا ہے، وہ ان حدود سے تجاوز کرنے کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور اس کو معبود گردانتا ہے جس کا وہ مستحق نہیں تھا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے طاغوت کہلاتی ہے''۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی سے فیصلہ کرانے والے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے پوری شریعت اسلامیہ کا انکار کر دیا ہو، اور مزید برآں یہ کہ اس نے غیر اللہ کو اپنی اطاعت میں شریک ٹھہرالیا ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''پس اے محمد ﷺ تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق ان لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔ ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو اللہ نے تمہاری طرف نازل کی ہے''۔ دوسری جگہ پر فرمایا: (ترجمہ) ''اے محمد (ﷺ) تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں''۔ (النساء:٦٥)۔

پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت بایں طور پر کرتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے علاوہ کسی اور جگہ سے فیصلہ کرواتا ہے یا اپنی خواہشات کی تکمیل میں مگن ہے تو گویا اس نے عملاً ایمان اور اسلام کی رسی کو گردن سے اتار پھینکا ہے۔ اس کے بعد خواہ وہ کتنا ہی ایمان اور اسلام کا دعویٰ کرے بیکار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ لفظ يَزْعُمُوْنَ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں عمل دعویٰ کے خلاف کیا جا رہا ہو۔ ہمارے اس دعویٰ کی دلیل قرآن کریم کی زیر نظر آیت ''و قَدْ اُمِرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ'' ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ طاغوت کا انکار کرنا توحید کا سب سے اہم رکن ہے جب تک کسی شخص کے اندر یہ رکن نہ ہوگا اس وقت تک اسے موحد کہنا غلط ہے تمام اعمال اور ایمان کی اساس اور مرکزی حیثیت توحید کو حاصل ہے۔ اعمال کی صحت اور عدمِ صحت کا دارومدار توحید ہی پر ہے اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا اُس نے ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں'' (البقرۃ:٢٥٦)۔ اپنے فیصلے طاغوت کے پاس لے جانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جانے والے کا اس پر ایمان ہے۔

طاغوت کے پاس اپنے متنازعہ معاملات لے جانے اور وہاں سے فیصلہ طلب کرنے کا اصل محرک شیطان ہوتا ہے اور وہ اس قسم کی باتیں بہت ہی خوبصورت انداز میں انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔ اس طرح

شیطان بیشمار لوگوں کو گمراہ کر چکا ہے۔ کتاب وسنت کو پس پشت ڈال کر طاغوت کو فصیل ماننے اور فیصلہ کن طاقت قرار دینے سے بڑی گمراہی اور ہدایت سے دُور کر دینے والی اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں یہ اُمور خاص طور پر بیان کئے گئے ہیں: ☆ طاغوت کے پاس فیصلہ لے جانا شیطانی فعل ہے اور اسی کے وسوسہ سے انسان کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ☆ دوسرا یہ کہ یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ ☆ تیسری بات یہ ہے کہ اُسے صیغہ مصدر کے ساتھ موکد کیا گیا ہے۔ ☆ چوتھی بات یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ ہدایت اور سیدھے راستے سے بہت دُور ہے۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا (النساء:٦١) فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا (النساء:٦٢)۔

جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے، اور آؤ رسول ﷺ کی طرف، تو اُن منافقوں کو تم دیکھتے ہو کہ یہ تمہاری طرف آنے سے کتراتے ہیں۔ پھر اُس وقت کیا ہوتا ہے جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت اُن پر آن پڑتی ہے؟ اُس وقت یہ تمہارے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم تو صرف بھلائی چاہتے تھے اور ہماری نیت تو یہ تھی کہ فریقین میں کسی طرح موافقت ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کے سامنے جب کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پیش کی جاتی ہے تو اس سے اغماض کرتے ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا خواہ وہ کتنا ہی مدعی ایمان ہو حقیقت میں وہ ایمان کی دولت سے بالکل محروم ہے۔ علامہ ابن قیم ﷺ فرماتے ہیں: ''جس شخص کے سامنے متنازعہ فیہ مسائل میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پیش کی جائے اور وہ تسلیم نہ کرے تو وہ شخص منافق ہے''۔

لوگوں کی اکثریت اس جرم میں گرفتار ہے اور خصوصاً علماء پر نہایت افسوس ہے جو علم کے ہوتے ہوئے ایسے لوگوں کے اقوال کو سامنے رکھ کر کتاب وسنت سے اعراض کئے ہوئے ہیں جو کئی مسائل میں مرتکب خطا ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے آپ کو آئمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کا پابند کر رکھا ہے حالانکہ ان میں سے کسی کی تقلید کا کوئی جواز نہیں اور ایسے لوگوں کے اقوال کو قابل اعتماد ٹھہرا لیا ہے جن پر اعتماد کی ضرورت نہ

تھی۔مقلدین کا سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ وہ نصوصِ کتاب وسنت کے مقابلے میں آئمہ کے اقوال کو پیش کرتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ قواعد شرعیہ ہی ایسے قواعد ہیں جن پر کلی اعتماد کیا جاسکتا ہے اوران کے بغیر کسی اور چیز پر فتویٰ صادر کرنا قرین صحت نہیں۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ سنت رسولِ کریم ﷺ کے متبع کی حیثیت سے ایک اجنبی اور مسافر کی سی ہوکر رہ گئی ہے ایسے شخص کو اس دَور میں کوئی وقعت نہیں دی جاتی۔ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت کتاب وسنت سے روگرداں ہے اور اکثر مقامات پر ان دو بنیادی نصوصِ شرعیہ پر عمل متروک ہو چکا ہے۔(واللہ المستعان)۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ (البقرۃ:۱۱)

جب کبھی اُن سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو اُنہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر اُکساتا ہے تو گویا وہ زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور زمین وآسمان میں اِصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کی جائے۔سیدنا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:(ترجمہ)''ان بھائیوں نے کہا:اللہ کی قسم!تم لوگ خوب جانتے ہو کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے ہیں اور ہم چوریاں کرنے والے لوگ نہیں ہیں''(یوسف:۷۳)۔

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ہر نافرمانی فساد فی الارض ہے۔زیرِنظر آیت کریمہ کا باب سے تعلق یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ سے فیصلہ کروانا منافقین کا کام ہے جو درحقیقت فساد فی الارض ہے۔پیش نظر آیت کریمہ میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ خواہشات کے بندوں کے اقوال سے ہوشیار اور چوکس رہنا چاہیئے کیونکہ یہ لوگ اپنے دعوؤں کو بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اہل خواہش کے فریب سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے جب تک کہ وہ اپنی بات کی دلیل کتاب وسنت سے پیش نہ کریں۔کیونکہ اُن کی یہ عادت ہے کہ وہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ کہنے میں مہارت رکھتے ہیں۔فساد فی الارض کی اس سے بڑی اور کیا صورت ہوسکی ہے۔فساد فی الارض سے خود بخود ایسے اُمور مرتب ہوتے ہیں جن سے انسان دائرہ حق سے باہر نکل کر باطل کی دلدل میں دھنس جاتا ہے۔

ان آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کی اکثریت اسی وہم میں گرفتار ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان ویقین کی پختگی کی نعمت عطا فرمادی ہو، شہواتِ نفس کے غلبہ کے وقت ان کی عقل کامل اور شکوک وشبہات کے مقابلے میں وہ بصرت تامہ سے بہرہ ور ہوں۔ بس یہی وہ افراد ہیں جو شبہات اور وساوس سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

**قول اللہ تعالی وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (الاعراف:٦٥)**

زمین میں فساد برپا نہ کرو جبکہ اس کی اِصلاح ہوچکی ہے اور اللہ ہی کو پکارو خوف کے ساتھ اور طمع کے ساتھ یقیناً اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابوبکر بن عیاش رقمطراز ہیں کہ: ''زمین کے چپہ چپہ پر فساد برپا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرما کر زمین اور اہل زمین کی اصلاح فرمائی اور اب جو شخص کتاب وسنت کو چھوڑ کر کسی دوسری طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے وہ فساد فی الارض کے جرم کا مرتکب ہوتا ہے''۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ فساد فی الارض یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی میں زندگی برباد کردے۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور شریعت اسلامیہ کی وضاحت سے اہل زمین کی اصلاح کے بعد کسی کا غیر اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دینا فساد فی الارض کی بدترین شکل ہے کیونکہ غیر اللہ کی عبادت اور اس کی طرف دعوت دینا شرک ہے اور کتاب وسنت کی مخالفت درحقیقت فساد فی الارض اور شرک ہے۔ پس شرک کرنا غیر اللہ کی اطاعت کی طرف دعوت دینا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو معبود ٹھہرانا اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کو چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنا سب سے بڑا فساد فی الارض ہے۔ اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کو معبود مانا جائے، اسی کی توحید کی طرف لوگوں کو دعوت دی جائے، اس کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کی جائے اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی بھی شخص کی بات پر عمل کرنے سے پہلے بڑے غور وفکر سے یہ دیکھ لیا جائے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت تو نہیں کر رہا اور اگر کتاب وسنت کے برعکس بات کہہ رہا ہو تو اُس کی بات کو چھوڑ دینا چاہیئے کیونکہ شریعت اسلامیہ میں کسی کی سمع واطاعت ہرگز نہیں کرنا چاہیئے۔ دنیا کے حالات کا سرسری جائزہ لینے کے بعد انسان اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اصلاحِ حال کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ انسان اللہ

تعالیٰ کی توحید، اس کی عبادت اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع کو اپنے اوپر لازم قرار دے لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا انکار یا آپ ﷺ کی نافرمانی کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ کی زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو جاتا ہے، قحط سالی کا دور دورہ ہوتا ہے اور خصوصاً دشمن اسلام مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے''۔

زیر نظر آیت کریمہ کا ترجمۃ الباب والی آیت سے تعلق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر دوسروں سے فیصلہ کروانا تمام گناہوں سے بدترین گناہ ہے جو حقیقی طور پر فساد فی الارض ہے۔ اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان اپنے تمام متنازع فیہ مسائل میں صرف کتاب وسنت کی طرف رجوع کرے۔ تمام مومنین کا یہی طریقہ اور دستور رہا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حال یہ کہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اُسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے''۔ (النسا:۱۱۵)۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ (المآئدۃ:۵۰)

(اگر یہ اللہ کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں اُن کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں۔

زیر نظر آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتا ہے جو اس کے ان احکامات سے اعراض کرتے ہیں جن میں خیر ہی خیر ہے جن میں ہر قسم کے شر سے روکا گیا ہے اور ایسی آرا، اقوال اور اصطلاحات کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کو ان لوگوں نے وضع کیا ہے جو شریعت اسلامیہ کی ابجد سے بھی واقف نہیں ہیں جیسے تاتاریوں نے چنگیز خان کی تقلید اور اس کی آراء کے مطابق فیصلے کرنے شروع کر دیئے۔ چنگیز خان نے یاسق کے نام سے ایک دستور مرتب کیا جو حقیقت میں مختلف مذاہب مثلاً یہودیت ونصرانیت اور ملت اسلامیہ سے مقتبس تھا اور اس انتخاب میں بھی اس نے اپنی خواہشات اور ذاتی نظریہ کو ملحوظ رکھا یہ ایسا مجموعہ ہے جسے اس کے پیروکار کتاب وسنت پر مقدم قرار دیتے ہیں اور اس کو مقدس سمجھتے ہیں۔ پس جو شخص ایسے فعل کا مرتکب ہوگا وہ کافر ہے جس سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع نہ کر لے اور معمولی سے معمولی اور بڑے سے بڑے تنازع میں کتاب وسنت کو حکم نہ مان لے''۔

جو شخص عقل وخرد سے اور غور وفکر سے کام لے گا اس کے سامنے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے زیادہ عدل کہیں نہیں۔ اللہ احکم الحاکمین ہے اور ماں سے بھی زیادہ اپنی مخلوق پر رحمت وشفقت کرنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی حاجتوں کو خوب جانتا ہے، وہ ہر چیز کے کرنے پر قدرتِ تامہ رکھتا ہے اس کے اقوال وافعال اور قضاء وقدر میں بیشمار حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اس آیت کریمہ میں جاہلیت کے تمام فیصلوں کو کتاب وسنت کے فیصلوں یک مقابلے میں ترک کر دینے کی وضاحت کی گئی ہے اور جس شخص نے جاہلیت کے فیصلہ کو اپنایا اس نے حق اور احسن فیصلہ سے اعراض کیا اور باطل کو حق کے مقابلے میں ترجیح دی۔

# باب

## مَنْ جَحَدَ شَيْئًا مِّنَ الْاَسْمَآءِ وَ الصِّفَاتِ

## اس باب میں اُس شخص کا حکم بیان کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا منکر ہے۔

**و قول الله تعالى وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ**

اور یہ لوگ رحمٰن کو نہیں مانتے، ان سے کہو کہ وہی میرا رب ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی میرا ملجا وماویٰ ہے۔ (الرعد: ۳۰)۔

پیش نظر آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ مشرکین قریش نے عناد اور بغض کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے نام الرحمٰن کا انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ''اے نبی ﷺ! اِن سے کہو اللہ کہہ کر پکارو یا، رحمٰن کہہ کر۔ جس نام سے بھی پکارو، اس کے لئے سب اچھے ہی نام ہیں''۔

الرحمٰن: اللہ کا نام بھی اور صفت بھی اس نام سے پتا چلا کہ رحمت، اللہ کی صفاتِ کاملہ میں سے ایک صفت ہے۔ مشرکین نے اللہ کے اسماء میں سے ایک ایسے اسم کا انکار کیا جو اللہ کی حمد اور اس کے کمال پر دلالت کرتا ہے، الرحمٰن کا انکار اصل میں اُس کی صفت اور معنی کا انکار ہے۔ جہم بن صفوان اور اس کے ساتھیوں کا گمانِ

باطل یہ تھا کہ الرحمٰن، اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت نہیں جو اللہ کی ذات سے قائم ہو۔اس کی دیکھا دیکھی معتزلہ، اور اشاعرہ نے بھی اس صفت کا انکار کر دیا۔اسی وجہ سے اکثر اہل سنت نے ان دونوں فرقوں کو کافر قرار دیا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:''مختلف شہروں میں ان کے کفر کی تقلید پانچ سو علماء نے کی۔امام الکائی نے ان سے اس کو بیان کیا ہے بلکہ اس سے پہلے طبرانی نے بھی بیان کیا ہے''۔

فرقہ جہمیہ اور ان کے پیروکاروں نے اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا تعطیل کی وجہ سے انکار کیا، جن صفات کو خود رَبِّ کریم نے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا، اس انکار، اور تعطیل کے لئے انہوں نے ایسے اصول مرتب کئے جو بالکل غلط اور باطل تھے۔انکار کی وجہ بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی صفات اجسام کی ہوتی ہیں، ان صفات کو مان لینے سے اللہ تعالیٰ کا جسم ماننا پڑے گا۔اس نوع کے دلائل ان کی کم عقلی کی دلیل ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق جیسی صفات خیال کیا۔شروع شروع میں تو ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو بھی مخلوق سمجھ لیا تھا۔آہستہ آہستہ صفاتِ کاملہ کا انکار کیا، اور ناقصات یعنی جمادات اور معدومات سے تشبیہ دی۔پہلے تشبیہ دی اور پھر تعطیل تک پہنچ گئے اور تیسری مرتبہ ان کو ناقص اور معدم اشیاء سے تشبیہ دینے کی جسارت کی۔نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح نصوص کا انکار کر دیا جس میں خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی صفات بیان کی ہیں جو حقیقت میں اس کی عظمت اور جلالت قدر کے لائق ہیں۔سلف صالحین اور آئمہ کرام ان تمام صفات کو تسلیم کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائی ہیں۔آئمہ کرام نے ان تمام صفات کو بلا تمثیل اور بلا تعطیل مانا ہے۔کیونکہ صفات میں بحث کرنا ذات میں بحث کرنے کے مترادف ہے۔فرقہ معطلہ والے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ثابت کرتے ہیں لیکن تشبیہ کے قائل نہیں ہیں۔پس اہل سنت کا بھی یہی مسلک ہے لیکن اہل سنت ان صفات کو بھی بلا تسبیہ و تمثیل مانتے ہیں جو صفات کہ اللہ نے اپنے لئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائی ہیں۔ان صفات کو مخلوق سے تشبیہ نہیں دیتے، اس لئے کہ اہل سنت کتاب وسنت پر ایمان رکھتے ہیں اور ان میں تناقص کے قائل نہیں ہیں۔لیکن معطلہ سرے سے کتاب وسنت کا ہی انکار کرتے ہیں۔اور اس میں تناقض ثابت کرنے کیلئے کوشاں ہیں لہٰذا عقل اور نقل دونوں لحاظ سے معطلہ کا مذہب باطل ٹھہرا۔اس پر اہل سنت، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے۔فللّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ۔

اہل حدیث علمائے کرام اور ان کے متاخرین جیسے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ اور

ان کے اصحاب میں کثیر علماء نے اس موضوع پر وافر ذخیرہ چھوڑا ہے۔

اہل بدعت کی کثرت، اور مختلف آراء کے باوجود ان پاکباز لوگوں نے سنت خیر الوریٰ کو بالکل پاک و صاف اور منزہ رکھنے میں اپنی عزیز عمریں کھپادیں۔ فجزاهم الله احسن الجزاء۔

و فی صحیح البخاری قَالَ عَلِیٌّ حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا یَعْرِفُوْنَ اَتُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّکَذَّبَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ

صحیح بخاری میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول مذکور ہے کہ لوگوں کو وہ باتیں سناؤ جنہیں وہ پہچانیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا جائے؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے زیر نظر جملہ ارشاد فرمانے کی ضرورت اس لئے محسوس فرمائی کہ ان کے دورِ خلافت میں لوگ احادیث بیان کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے، وعظ وارشاد میں عام قصے کہانیاں بیان کرتے وقت ایسی ایسی باتیں احادیث کے نام سے بیان کرنا شروع کر دی تھیں جن کا کوئی اصل نہ تھا۔ لوگوں نے بعض روایات کو بالکل عجوبہ خیال کیا اور ان کی تردید بھی کی، تاہم ان میں بعض صحیح روایات بھی بیان کی جاتی تھیں۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے واعظین کو ہدایات جاری فرمائیں کہ وعظ وارشاد میں صرف وہ احادیث بیان کی جائیں جن کی صحت پر یقین ہو، اور جن سے ایک عام آدمی کو دین کے سمجھنے میں مدد ملے۔ جیسے حلال وحرام کی وضاحت کرنا، جس کا ہر شخص مکلّف ٹھہرایا گیا ہے۔ بالکل گہرے اور پیچیدہ مسائل کو زیر بحث نہ لایا جائے جن سے ایک عام آدمی حق کو قبول کرنے میں پس وپیش کرے اور جو اس کو تکذیب کی سرحدوں میں پہنچانے کا موجب بنتے ہوں۔ بالخصوص وہ باتیں ہرگز بیان نہ کی جائیں جن میں اختلاف پایا جاتا ہے اور جدل ونزاع کا موجب بنتی ہیں۔

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی بھی یہی عادت تھی کہ وہ ایسے مسائل بیان فرماتے جن کا تعلق انسان کے دین، عبادات اور معاملات سے ہوتا تھا، اور جن کا جاننا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ عام لوگوں کو ابن جوزی کی کتب مثلاً المنعش، المرعش، اور تبصرہ کے مطالعہ سے روکا کرتے تھے، کیونکہ ان میں ضروری اور انفع اُمور سے اعراض کیا گیا ہے اور ایسی چیزیں درج کی گئی ہیں جن کا عقیدے سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔

امیر المؤمنین سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ واعظین کو عام قصے کہانیاں بیان کرنے سے روکا کرتے تھے کیونکہ یہ لوگ احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''خود امیر یا امیر کا نمائندہ ہی

تقریر و وعظ بیان کرسکتا ہے''۔اس قسم کی روک تھام کا صرف ایک ہی مقصد تھا کہ صراط مستقیم کی علم وعمل اور یقین محکم کے ذریعے سے حفاظت کی جائے اور یہ بدعت وخرافات سے بچ کر زندگی بسر کی جائے۔سچ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کسی کو درست اور صحیح رکھ سکتا ہے اور اِسی سے اس کی توفیق مانگتے رہنا چاہیئے۔

## متشابہ آیات میں علمائے سلف کے اقوال

مندرجہ ذیل حدیث الدر المنثور میں موجود ہے، جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پہلی کتاب، ایک ہی دروازے سے ایک ہی طریقے پر نازل ہوئی تھی۔لیکن قرآن مجید، سات ابواب سے، سات طریقوں پر نازل ہوا اور وہ ہیں: زجر، امر، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔حلال کو حلال قرار دو اور حرام کو حرام سمجھو۔جو حکم ملتا ہے اس پر عمل کرو۔جس عمل سے روکا جائے اس سے رُک جاؤ، جو امثال بیان کی گئی ہیں ان سے نصیحت حاصل کرو۔محکم آیات پر عمل کرو۔اور متشابہات پر ایمان رکھو اور اس بات کا اِقرار کرو کہ ہم سب آیات پر ایمان لائے اور تمام قسم کی آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں''۔

# فیہ مسائل

☆ جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں سے کسی ایک کا بھی انکار کردے تو وہ شخص ایمان سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔ ☆ جس بات کو مخاطب نہیں سمجھ سکتا اُسے چھوڑ دینا۔ ☆ اُس علت کا تذکرہ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب تک پہنچا دیتی ہے، اگرچہ انکار کرنے والے کا یہ ارادہ نہ ہو۔ ☆ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا کلام کہ جو شخص ان میں سے کسی کا انکار کرے وہ اُسے ہلاک کردے گی۔

# باب

**قول اللہ تعالی یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا وَ اَکْثَرُھُمُ الْکَافِرُوْنَ**

**یہ اللہ تعالیٰ کے اِحسان کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔**

**قول اللہ تعالی یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَھَا وَ اَکْثَرُھُمُ الْکَافِرُوْنَ**

یہ اللہ تعالیٰ کے اِحسان کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جو حق کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔(النحل:۸۳)

ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''اس آیت کریمہ میں جس نعمت کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں علمائے کرائم کی آراء مختلف ہیں۔سفیان عن السدّی سے منقول ہے کہ اس نعمت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد ہے''۔بعض علمائے کرام کا بیان ہے کہ اس سورت میں جن انعامات کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقی منعم ہے۔لیکن اِن مشرکین کا گمانِ باطل یہ ہے کہ وہ ان اِنعامات کے آباؤاجداد کی طرف سے وارث ہیں۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ نے اپنا مصحف (قرآن مجید) بارہا سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کو سنایا، میری عادت یہ تھی کہ میں ہر ایک آیت پر رُک جاتا اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کرتا کہ: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟ اس آیت کے نازل ہونے کی وجہ کیا ہوئی؟ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ جب میری تسلی ہو جاتی تو پھر آگے دوسری آیت پڑھتا۔زیر بحث آیت کریمہ کے بارے میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ مجاہد کا قول نقل کرتے ہیں کہ''اس نعمت الٰہی سے گھر بار، چوپائے وغیرہ، کھانے پینے کی تمام اشیاء، لوہے اور روئی وغیرہ سے بنے ہوئے کپڑے مراد ہیں۔کفارِ قریش یہ جاننے کے باوجود کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے، اس سے یوں انکار کرتے ہیں کہ''یہ تمام اشیاء ہمارے آباؤاجداد کی ہیں جو ہمیں وارث بنا گئے ہیں''۔

بعض علماء نے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ جب کفار سے پوچھا جاتا کہ تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ تو جواب دیتے ہوئے اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق رساں ہے، لیکن اس کا بایں طور اِنکار کر دیتے کہ''ہم کو یہ رزق ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملا ہے''۔

پیش نظر آیت''یعرفون نعمة الله ثم ینکرونها'' کے متعلق عون بن عبداللہ لکھتے ہیں:''مشرکین کا انکارِ انعامات یہ کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر فلاں آدمی نہ ہوتا تو یہ حالات پیدا نہ ہوتے۔یا اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو مجھ پر یہ مصیبت نہ ہوتی''۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے قول کو پسند کیا ہے۔ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے علماء نے اس آیت کریمہ کو عام رکھا ہے۔کسی ایک معنی میں منحصر نہیں۔یہی زیادہ بہتر ہے کہ اس آیت میں عمومت کو برقرار رکھا جائے۔واللہ اعلم۔

# فیہ مسائل

☆ نعمت کی پہچان اور اس کے اِنکار کی جتنی صورتیں ممکن تھیں، ان کی وضاحت کرنا۔ ☆ اِنکار کی جتنی صورتیں ہیں وہ اکثر لوگوں کی زبان پر جاری ہیں۔ ☆ ایسے کلام کا نام انکارِ نعمت ہے۔ ☆ دِلوں میں اجتماع ضدین پایا جانا۔

# باب

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

## پس جب تم جانتے ہو تو دُوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ

پس جب تم جانتے ہو تو دُوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔ (البقرۃ)

الند: مثل اور نظر کو کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ''ند'' بنانے کا مطلب یہ ہے کہ انسان تمام عبادات کو یا کسی ایک عبادت کو غیر اللہ کے لئے ادا کرے۔ جیسے بتوں کے پجاری اپنے معبودانِ باطل سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کو نفع پہنچانے اور ان سے تکلیف دُور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کی سفارش بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرتے ہیں۔ پوری آیت اس طرح ہے: ''لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ تمہارے بچنے کی توقع اِسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اُوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم پہنچایا پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ''۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالعالیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''اللہ کے شریک نہ بناؤ یعنی اس کے برابر شریک''۔

ربیع بن انس، قتادہ، السدی، ابو مالک اور اسماعیل بن ابی خالد نے بھی یہی معنی بیان کئے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ اس آیت کریمہ کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ: ''اپنے معبودانِ باطل کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہراؤ

کیونکہ وہ نہ تو نفع دے سکتے ہیں اور نہ تکلیف میں مبتلا کر سکتے ہیں۔تم اس بات کو اچھی طرح جانتے ہو اور سمجھتے ہو کہ رسول اکرم ﷺ جس توحید خالص کی تمہیں دعوت دے رہے ہیں، وہ حق ہے جس میں کوئی شک نہیں''۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور مجاہد اس آیت کی تشریح میں انداد کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ انسان لوگوں میں سے کسی کی اس طرح اطاعت کرے جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو''۔انداد کے بارے میں ابن زید کا قول یہ ہے کہ ''انداد، مشرکین کے وہ الٰہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا گیا ہو اور جو صفات اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں، اُن صفات کو اِن انداد میں تسلیم کر لیا گیا ہو''۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے انداد کے معنی شبیہ کئے ہیں۔مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ ''یہود و نصاریٰ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ الٰہ ایک ہی ہے، جیسا کہ تورات اور انجیل میں مذکور ہے''۔

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کے مفہوم کی مزید وضاحت کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے جو مسند احمد میں حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کو پانچ کلمات کا حکم دیا کہ وہ خود بھی ان پر عمل کریں اور بنی اِسرائیل کو بھی ان پر عمل کرنے کی دعوت دیں۔ممکن ہے کہ وہ اس میں تاخیر کر دیتے کہ اتنے میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ کلمات کا حکم دیا ہے کہ ان پر خود بھی عمل کرو اور بنی اِسرائیل کو بھی اِن پر عمل کرنے کا حکم دو۔یا تو یہ کلمات تم بنی اِسرائیل کو پہنچا دو یا میں پہنچا دوں۔یحییٰ بن زکریا علیہ السلام بولے: میرے بھائی! مجھے ڈر ہے کہ اگر آپ اس معاملے میں مجھ سے سبقت لے گئے تو ایسا نہ ہو مجھے اللہ کی طرف سے عذاب دیا جائے یا زمین میں دھنسا دیا جائے۔چنانچہ سیدنا یحییٰ بن زکریا علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس میں جمع کیا حتی کہ مسجد بھر گئی۔انہوں نے ایک بلند مقام پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، اور پھر قوم سے اس طرح خطاب فرمایا: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے پانچ کلمات کا حکم دیا ہے کہ خود بھی اِن پر عمل کروں اور تم کو بھی ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دوں۔پہلا حکم یہ ہے کہ ''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔مشرک کی مثال اُس غلام کی سی ہے جسے کوئی شخص اپنے خالص مال سے خرید کر اپنے کاروبار کا مختار بنا دے، لیکن یہ غلام شام کے وقت فروخت شدہ مال کی رقم اپنے آقا کی بجائے دُوسرے کسی شخص کے حوالے کرتا جائے۔کیا غلام کی اس حرکت کو کوئی عقلمند شخص برداشت کرے گا؟ ہرگز نہیں! پس اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرمایا اور وہی رزق دیتا ہے۔لہٰذا اسی کی خالص عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔دوسرا حکم یہ ہے کہ ''میں تم کو نماز پڑھنے کا حکم دیتا ہوں''۔جب تک انسان

نماز کی حالت میں ہوتا ہے اور دُوسری طرف التفات نہیں کرتا، اُس وقت تک اللہ تعالیٰ بھی اپنے بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ پس جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ تو کسی دُوسری طرف عنانِ توجہ مبذول نہ کرو۔ تیسرا حکم یہ ہے ''میں تم کو روزے کا حکم دیتا ہوں''۔ روزہ دار کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کے پاس کستوری کی تھیلی ہو اور اُس کے تمام ساتھی اس کی خوشبو محسوس کر رہے ہوں۔ روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے ہاں کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پاکیزہ ہے۔ چوتھا حکم یہ ہے ''میں تم کو صدقہ وخیرات کا حکم دیتا ہوں''۔ صدقہ و خیرات کرنے والے شخص کی مثال اُس قیدی کی سی ہے جس کے ہاتھ میں دُشمن نے اُس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اُسے قتل کرنے کے لئے مقتل کی طرف لے جا رہے ہوں وہ قیدی دشمن سے کہے کہ کیا میں اپنی جان جرمانہ ادا کر کے بچا سکتا ہوں؟ اور وہ دشمن کے کہنے پر اپنا سب چھوٹا موٹا مال دے کر اپنے آپ کو بچا لے۔ پانچواں حکم یہ ہے ''میں تم کو اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیتا ہوں''۔ اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے والے شخص کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس کو پکڑنے کے لئے دشمن کا پیچھا کر رہا ہو اور یہ شخص ایک قلعہ میں آ کر پناہ گزین ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک انسان ذکر الٰہی میں مشغول رہتا ہے، وہ شیطان کی شرارتوں سے ایسا محفوظ رہتا ہے جیسے کسی مضبوط قلعہ میں محفوظ ہو گیا ہو''۔

یہ پانچ اُمور ذکر کرنے کے بعد رسولِ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی تم کو پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وہ یہ کہ: ۱۔ مسلمانوں کی جماعت سے وابستہ رہنا۔ ۲۔ اپنے امیر کی باتوں کو سننا اور پھر۔ ۳۔ اُس کی اطاعت کرنا۔ ۴۔ اللہ کے لئے ہجرت کرنا۔ ۵۔ اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر بھی باہر رہا تو گویا اُس نے اپنے گلے سے اسلام کی رسی کو اُتار پھینکا، جب تک کہ وہ پھر واپس جماعت میں نہ مل جائے۔ اور جو شخص جاہلیت کی رسم ورواج کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتا ہے تو ایسا شخص جہنم کا ایندھن بنے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اگر چہ وہ شخص نماز اور روزہ کا پابند ہو جب بھی جہنم کا ایندھن بنے گا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا: ہاں! اگر چہ وہ نماز روزے کا پابند ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ تم مسلمانوں کو اسی نام سے پکارا کرو جس نام سے اللہ نے ان کو پکارا ہے یعنی مسلمان، مومن، اللہ کے بندے''۔

یہ حدیث حسن ہے اور اس آیت سے اس کی شہادت ملتی ہے: ''کہ یقیناً اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور اسی نے تمہیں رِزق عطا فرمایا۔ پس تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ''۔

زیرِنظر آیت کریمہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنی چاہیئے کیونکہ وہ یکتا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔

زیرِ بحث آیت کریمہ سے اکثر مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر بہت سی آیات موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کے بارے میں ابونواس سے پوچھا گیا تو اُس نے فی البدیہہ اشعار میں اس کا جواب یوں دیا: (ترجمہ) زمین کی انگوری میں غور کر، اور دیکھ ان آثار کو کہ شاہ کی کاریگری نے کیا کچھ کر دیا۔ چاندی کی آنکھیں ایسی نگاہوں سے دیکھتی ہیں جو پگھلا ہوا سونا معلوم ہوتی ہیں۔ سونے کے منبر پر شہادت دینے والے کھڑے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اللہ کے وجود پر ابن المعتز نے جو اشعار کہے وہ سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں وہ کہتا ہے: (ترجمہ) تعجب ہے کہ منکر کیسے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یا کیسے اس کا انکار کرتا ہے۔ حالانکہ ہر چیز میں اس کی ایک علامت موجود ہے جو بتاتی ہے کہ وہ اللہ ایک ہی ہے۔

جناب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے بارے میں کہا ہے کہ ''انداد شرکِ مخفی ہے جیسے کہ سیاہ چیونٹی اندھیری رات میں سیاہ پتھر پر چلے اور وہ اس طرح کہ تم کہو، اللہ کی قسم، تیری ماں کی قسم، اے فلانی، میری جان کی قسم۔ اور یہ کہے کہ اگر یہ کتیا نہ ہوتی تو ہمارے ہاں چور آ جاتے اور اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمارے ہاں چور آ جاتے۔ اور یہ کہ انسان اپنے ساتھی سے کہے ''جو اللہ چاہے اور تم چاہو'' اور یہ کہ ''اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا'' تو اس میں ''فلاں'' نہ رکھ کیونکہ یہ سب باتیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی تعریف میں آتی ہیں''۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سب شرک ہے اور اِس دَور میں اس قسم کے الفاظ لوگ کثرت سے استعمال کرتے ہیں جو نہ توحید کی معرفت رکھتے ہیں اور نہ شرک کی سنگینی سے واقفیت۔ لہٰذا ہر شخص کو ان اُمور سے بچتے رہنا چاہیئے کیونکہ یہ گناہ کبیرہ الکبائر میں سے ہیں اس لئے ان سے سختی سے لوگوں کو آگاہ کرنا چاہیئے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے لئے غیر اللہ کی قسم کھانے سے اللہ کی جھوٹی قسم کھانا زیادہ بہتر ہے''۔

ہر شخص کو اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ اللہ کے نام کی جھوٹی قسمیں کھانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، لیکن

شرک تمام بڑے بڑے گناہوں سے زیادہ سنگین ہے اگر چہ شرکِ اصغر ہی کیوں نہ ہو۔شرکِ اصغر جب تمام کبیرہ گناہوں سے زیادہ سنگین ہے تو اس سے شرکِ اکبر کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو خلودِ جہنم کا موجب ہے۔

شرکِ اکبر میں سے چند اعمال مندرجہ ذیل ہیں: ☆غیر اللہ کو مصائب ومشکلات میں پکارنا۔ ☆غیر اللہ سے استغاثہ کرنا۔ ☆غیر اللہ کی طرف توجہ اور رغبت کرنا۔ ☆اپنی حوائج اور ضروریات کو غیر اللہ کے سامنے پیش کرنا۔ ☆قبروں کی تعظیم کرنا۔ ☆قبروں کی بایں طور پر تعظیم کرنا کہ ان کو وثن بنالیا جائے۔ ☆قبروں پر تعمیرات کرنا اور بڑے بڑے قبے بنا ڈالنا۔ ☆قبروں میں مساجد تعمیر کرنا اور ان کو سجدہ گاہ قرار دینا۔ ☆صاحب قبر کے نام پر قبہ بنانا تاکہ صاحب قبر کی عظمت باقی رہے۔ ☆اور صاحب قبر کی طرف اقوال واعمال اور دل سے متوجہ ہونا وغیرہ۔

اُمت محمدیہ ﷺ کی اکثریت ان افعال واعمالِ شرکیہ میں غرق ہوچکی ہے۔ یہ ایسا شرک ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ نام نہاد مسلمانوں نے قرآنکریم کی واضح اور بین آیات کو جن میں سے اس شرک کی نفی کی گئی ہے ترک کر دیا ہے۔قرآن کریم میں ارشاد الٰہی ہے: (ترجمہ) ''اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو بالکل جھوٹی باتیں گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے یا اللہ کی سچی آیات کو جھٹلائے۔ایسے لوگ اپنے نوشتہ تقدیر کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ گھڑی آجائے کی جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی رُحیں قبض کرنے کے لئے پہنچیں گے اُس وقت اُن سے پوچھیں گے کہ بتاؤ اب کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جنکو تم اللہ کے بجائے پکارتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ ''سب ہم سے گم ہوگئے''۔اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ ہم واقعی منکر حق تھے''۔(الاعراف:۳۷)۔

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے جو اِس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارا کرتے تھے۔ایک مقام پر ارشادِ الٰہی ہے: (ترجمہ) ''اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو''۔ (الجن:۱۸)۔ ایک مقام پر فرمایا: (ترجمہ)''اے نبی ﷺ کہو کہ میں تو اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا''۔کہو''میں تم لوگوں کے لئے نہ کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہوں، نہ بھلائی کا'' (الجن:۲۰تا۲۱)۔

مشرکین کا بُرا ہو کہ اُنہوں نے احکام الٰہی اور فرامین رسول ﷺ کی ہدایت کی مخالفت کی اور جس چیز سے روکا گیا تھا اُس پر عمل کیا جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، اور غیر اللہ پر توکل اور بھروسہ کرنا وغیرہ۔افسوس

کہ بعض لوگوں نے اپنے اشعار میں یوں کہا: ''اے معزز ترین مخلوق! تیرے سوا میرا کوئی ایسا نہیں جس کی میں عام مصیبتوں کے آنے پر پناہ لے سکوں۔ اگر تو مہربانی فرما کر قیامت کو میرا ہاتھ نہ پکڑے تو کہہ، ہائے قدم کا پھسلنا۔ تیری سخاوت میں سے دُنیا اور اس کی سوت (آخرت) ہے اور تیرے ہی علم میں سے لوح وقلم ہیں''۔

مندرجہ بالا اشعار میں کس قدر جہالت اور گمراہی بھری ہوئی ہے۔ شاعر اپنا عقیدہ بیان کرتا ہوا کہتا ہے کہ نجاتِ اُخروی اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ غیر اللہ کی پناہ حاصل نہ کی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ شاعر اُن حدود سے تجاوز کر گیا ہے جن سے تجاوز کرنا رسولِ اکرم ﷺ نے منع فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''میری تعریف میں غلو نہ کرنا جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق غلو کیا تھا۔ میں صرف ایک بندہ ہوں، مجھے صرف اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول کہا کرو''۔ (رواہ مالک وغیرہ)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (ترجمہ) ''اے محمد ﷺ ان سے کہو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں''۔ (انعام: ۵۰)۔

مندرجہ بالا آیاتِ قرآنی اور (ترجمہء) اشعار میں بہت بڑا اختلاف پایا جاتا ہے بلکہ حقیقت میں یہ اشعار اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کے مترادف ہیں۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نہ کہو کہ ''جو اللہ چاہے اور فلاں شخص چاہے''۔ بلکہ یہ کہو ''جو اللہ چاہے اور پھر جو فلاں شخص چاہے''۔

## فیہ مسائل

☆ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ وہ شرکِ اکبر کے متعلق جو آیت نازل ہوتی اسے شرکِ اصغر پر بھی محمول کرتے۔ ☆ غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا شرک ہے۔ ☆ غیر اللہ کے نام کی سچی قسم کھانا، اللہ کی جھوٹی قسم کھانے سے بھی بدترین فعل ہے۔

## باب

**ما جاء فیمن لم یقنع بالحلف اللہ**

**اس باب میں کہ بیان کیا گیا ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی قسم نہیں کھانی چاہیئے اور**

## قسم لینے والے کا فرض ہے کہ قسم کے بعد اپنے مخالف سے متعلق حسن ظن رکھے۔

**عن ابن عمر رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَآئِكُمْ مَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللهِ فَلْيَصْدُقْ وَمَنْ حُلِفَ لَهٗ بِاللهِ فَلْيَرْضَ وَ مَنْ لَّمْ يَرْضَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ**

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے باپ دادوں کی قسمیں نہ کھاؤ۔ جو اللہ کی قسم کھائے وہ سچ بولے۔ اور جس کے لئے اللہ کی قسم کھائی ء، اُسے راضی رہنا چاہیئے اور جو راضی نہ ہو، وہ عباد اللہ (اللہ کے نیک بندوں) میں سے نہیں ہے۔ (رواہ ابن ماجہ بسند حسن)۔

غیر اللہ کے نام کی قسم اٹھانے کی نفی اور تردید کے بارے میں گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ سچی بات ایک ایسا عمل ہے جو اللہ کریم نے اپنے نبیوں پر واجب قرار دیا ہے اور قرآن کریم میں اِس عمل کی خصوصی طور پر ترغیب دی ہے، فرمایا: (ترجمہ) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کا ساتھ دو''۔ (توبہ:۱۱۹)۔ ''راست باز مرد اور عورتیں''۔ (الاحزاب:۳۵)۔ ''اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے سچے رہتے تو اُن کے لئے بہت ہی بہتر تھا''۔ (محمد:۲۱)۔ متقی اور پرہیزگار افراد کی یہی علامتیں ہیں۔ ایسی ہی افراد کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ قیامت اور ملائکہ اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو اور اُس کے پیغمبروں کو دِل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال، رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق اور باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں'' (البقرۃ:۱۷۷)۔

شریعت اسلامیہ کی ہدایات اور احکام کی روشنی میں جب مدعا علیہ سے قسم اٹھوانے کی نوبت آجائے اور وہ اس سے قسم لے تو مدعی کو لازم ہے کہ اس کی قسم کا اعتبار کرے اور راضی ہو جائے۔ جب صورتِ حال یہ ہو کہ ایک دوسرے کے معاملات چل رہے ہوں تو مسلمان کا مسلمان پر حق ہے کہ اس کا عذر قبول کرتے ہوئے یا تہمت و برائی سے اس کے اظہارِ برات کے پیشِ نظر قسم کھانے والے کی قسم منظور کرے اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کے ساتھ حسن ظن رکھے جب تک کہ اُس کے خلاف کوئی بات واضح نہ ہو جائے جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ

کے اثر میں بتایا گیا ہے۔ ''مسلمان کی زبان سے جو بات نکلے اُس سے شر کا مفہوم نہ لو جب تک کہ تم اِس سے خیر کا محل پاتے ہو''۔

اس حدیث میں تواضع، انکساری، اُلفت اور محبت وغیرہ اوصاف پنہاں ہیں جو اللہ کریم کو انتہائی محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ صاحب عقل وبصیرت شخص سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں ہیں۔ یہ ایسے اسباب اور اعمال ہیں جنکے انجام دینے سے لوگوں کے دل اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر جمع ہو جاتے ہیں یہ اوصاف جس خوش نصیب کے دل میں ودیعت کر دیئے جائیں وہ حسن اخلاق کے اُس بلند ترین مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال میں یہ اوصاف سب سے وزنی ہوں گے۔ یہ مکارمِ اخلاق کی آخری کڑی ہیں جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔

ترمذی میں سیدنا ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قیامت کے دن مومن کی میزان میں حسن خلق سے زیادہ اور کوئی شے وزنی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ بداخلاق، بدگو پر سخت غصے کا اظہار کرتا ہے''۔

اے نفس کے خیر خواہ! ان باتوں پر غور وفکر کر، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری صلاح وخیر خواہی کا باعث ہوں، جیسے حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بجا آوری، ایسے کام کر، جن سے عام مسلمانوں میں خوشی اور مسرت پیدا ہو، ایسے اُمور سے اجتناب کر جن سے اپنی برتری اور دُوسروں سے اِنقباض نمایاں ہو کیونکہ ان اُمور میں ایسا خطرناک پہلو ہے جو نہ عقل میں آتا ہے اور نہ اسے دل ہی محسوس کرتا ہے۔

اس کی تفصیلات، کتب ادب وغیرہ میں درج ہیں، یہ موقع تفصیل میں جانے کا نہیں۔ تفصیلات دیکھنے کے لئے بڑی بڑی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جس آدمی کو یہ چیز عطا کی گئی اور عمل کے قابل چیزوں پر عمل کی توفیق نصیب ہوتی اور جن چیزوں کو چھوڑنا واجب ہے اُن کو چھوڑ دیا تو یہ چیزیں اُس کے دین اور عقل کے کمال کی دلیل ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ایک مسکین اور کمزور بندے کو توفیق دینے والا اور اُس کا مددگار ہے۔

# فیہ مسائل

☆ والدین کی قسم اُٹھانے کی ممانعت۔ ☆ جس شخص کے لئے اللہ کے نام کی قسم لی گئی اُسے قسم کے بعد راضی ہونے کا حکم۔ ☆ جو شخص قسم لینے کے بعد بھی راضی نہ ہو اُس کو وعید۔

# باب

قول ما شاء الله و شئت

## جو اللہ چاہے اور اے محمد ﷺ جو آپ چاہیں کے الفاظ زبان سے نکالنا شرک ہے۔ زمانہ نبوی کے یہودی اور عیسائی بھی ان الفاظ کو شرک قرار دیتے تھے۔

عن قتیلہ رضی اللہ عنہا اَنَّ یَھُوْدِیًّا اَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ اِنَّکُمْ تُشْرِکُوْنَ تَقُوْلُوْنَ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَ شِئْتَ وَ تَقُوْلُوْنَ وَالْکَعْبَۃِ فَاَمَرَھُمُ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا اَرَادُوْا اَنْ یَّحْلِفُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ وَ اَنْ یَّقُوْلُوْا مَا شَآءَ اللّٰہُ ثُمَّ شِئْتَ (رواہ النسائی وصححہ)۔

سیدہ قتیلہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک یہودی نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا: کہ تم لوگ بایں طور مرتکب شرک ہوتے ہو کہ کہتے ہو، جو اللہ چاہے اور تم چاہو نیز کہتے ہو کعبہ کی قسم! پس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب وہ قسم کھانا چاہیں تو (کعبہ کی قسم نہ کہیں بلکہ) ربِّ کعبہ کی قسم کہیں اور یہ کہیں کہ جو اللہ چاہے اور پھر تو چاہے

زیر نظر حدیث سے پتا چلتا ہے کہ ☆ حق بات کہنے والا کوئی بھی ہو اُسے تسلیم کر لینا چاہیئے ۔ ☆ کعبہ کی قسم نہ اُٹھانی چاہیے ، اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہی وہ بیت اللہ ہے کہ حج وعمرہ کرنے کے لئے جس کا قصد کرنا فرض ہے۔ اور یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی ممانعت عام ہے نہ کسی مقرب فرشتے کو، نہ کسی نبی مرسل کو، نہ بیت اللہ کو، غرض یہ کہ کسی کو بھی اللہ کریم کے ساتھ شریک بنانا حرام ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل عوام بیت اللہ کی قسمیں اٹھانا اور اس سے ایسا سوال کرنا جسے صرف اللہ تعالیٰ ہی پورا کرسکتا ہے، جیسے قبیح عمل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ہر عقلمند، اور صاحب بصیرت شخص کے سامنے یہ مسئلہ واضح ہے کہ بیت اللہ نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ کسی کو ادنیٰ سی مصیبت میں مبتلا کرسکتا ہے۔ اللہ کریم نے تو صرف اس کا طواف کرنا اور اس کے اندر عبادت کرنا جائز قرار دیا ہے اور اس کو اُمت محمد یہ ﷺ کے لئے قبلہ مقرر فرمایا ہے۔ بیت اللہ کا طواف کرنا جائز اور اس کے نام کی قسم اٹھانا اور اس سے دعا والتجاء کرنا حرام ٹھہرا دیا ہے۔ لہٰذا ہر عقلمند شخص کو ان اُمور میں جو بیت اللہ میں جائز، اور بعض ممنوع ہیں فرق کرنا ضروری ہے اگرچہ ساری دُنیا مخالف اور دشمن ہوجائے۔

انسان کتنی بھی تدبیریں سوچے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اِرادہ، اللہ کریم کے ارادے کے تحت اور تابع ہے۔ انسان کو اپنے ارادے کے انجام دینے کی قطعاً قدرت نہیں ہے جب تک کہ اللہ کریم نہ چاہے۔ اور وُہی کام ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ جیسے فرمایا: ''اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک اللہ ربُّ العالمین نہ چاہے''۔ (التکویر:۲۹)۔ ایک دوسرے مقام پر اِرشادِ الٰہی ہے: ''یہ ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اپنے رب کی طرف جانے کا راستہ اختیار کرلے اور تمہارے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے۔ یقیناً اللہ بڑا علیم وحکیم ہے''۔

ان آیاتِ قرآنیہ اور احادیث نبویہ ﷺ سے، قدریہ، اور معتزلہ کی تردید ہوتی ہے۔ یہ دونوں فرقے تقدیر الٰہی کے منکر ہیں۔ ان گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کے خلاف، انسان کام کرسکتا ہے۔ ان کے اس باطل عقیدہ کی تردید آئندہ صفحات میں تفصیل سے آرہی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

یہ فرقے اُمت محمدیہ کے مجوسی ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا وہی عقیدہ اور موقف ہے جسے قرآن وحدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شریعت کے مخالف اور موافق اعمال واقوال میں انسان کے تمام ارادے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تابع ہیں۔ انسان کے وُہ ارادے جو شریعت مطہرہ کے موافق ہیں اللہ کریم ان سے راضی اور خوش ہوتا ہے اور وہ عزائم جو شریعت اسلامیہ سے متصادم ہیں ان کو اللہ ناپسند کرتا ہے۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اگر تم کفر کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے لیکن وہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند نہیں کرتا''۔ (الزمر:۷)۔

زیرِنظر حدیث میں اس بات کی وضاحت ہے کہ کعبہ کی قسم اٹھانا شرک ہے کیونکہ آنے والا یہودی نہ

یہی کہا تھا ''تم شرک کرتے ہو''۔ اور اس پر آپ ﷺ نے انکار نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا اِرشادِ گرامی بھی گزشتہ حدیث کی تائید کرتا ہے کہ غیر اللہ کی قسم اُٹھانا اور مَا شَآءَ اللّٰہ وَ شِئْتَ کہنا شرک ہے۔

اس میں اس بات کی وضاحت ہے کہ جو شخص کسی بندے کو اللہ کریم کے برابر قرار دے، اگرچہ یہ برابری شرکِ اصغر میں ہی کیوں نہ ہو گویا اُس نے اللہ تعالیٰ کا ''ند'' اور مثیل قرار دیا۔ خواہ یہ شخص مانے یا انکار کرے، اس سلسلے میں کم عقل اور جاہل لوگوں کی اس بات کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جن کا کہنا ہے کہ جب تک ہم غیر اللہ کی عبادت نہ کریں اور شرک اکبر و شرک اصغر میں سے کسی منہیہ عنہ کا ارتکاب نہ کریں اس وقت تک ہم مشرک نہ ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے ''اللہ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہے اُسے دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے''۔

**و لابن ماجة عن الطفيل اخي عائشة رضی اللہ عنہا قال رَاَيْتُ فِيمَا يَرَ النَّائِمُ كَاَنِّيْ اَتَيْتُ عَلٰى نَفَرٍ مِّنَ الْيَهُوْدِ قُلْتُ اِنَّكُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لِيْ وَ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ قَالُوْا وَ اِنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ ثُمَّ مَرَرْتُ بِنَفَرٍ مِّنَ النَّصَارٰى فَقُلْتُ اِنَّكُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ قَالُوْا وَ اِنَّكُمْ لَاَنْتُمُ الْقَوْمُ لَوْ لَا اَنَّكُمْ تَقُوْلُوْنَ مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ اَخْبَرْتُ بِهَا مَنْ اَخْبَرْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَاَخْبَرْتُهُ قَالَ هَلْ اَخْبَرْتَ بِهَا اَحَدًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ طُفَيْلاً رَاٰى رُؤْيًا اَخْبَرَ بِهَا مَنْ اَخْبَرَ مِنْكُمْ وَ اِنَّكُمْ قُلْتُمْ كَلِمَةً كَانَ يَمْنَعُنِيْ كَذَا وَ كَذَا اَنْ اَنْهَاكُمْ عَنْهَا فَلَا تَقُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَ شَآءَ مُحَمَّدٌ وَلٰكِنْ قُوْلُوْا مَاشَآءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ**

سنن ابن ماجہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے مادر زاد بھائی سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ گویا میں یہودیوں کی ایک جماعت کے پاس پہنچا میں نے کہا تم بہتر لوگ ہو اگر سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ تم بھی بہتر لوگ ہو اگر یہ نہ کہو کہ ''جو اللہ اور محمد ﷺ چاہیں''۔ پھر عیسائیوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا، میں نہ کہا تم بہت اچھے لوگ ہو اگر سیدنا مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا نہ کہو۔ انہوں نے کہا کہ تم بھی اچھے لوگ ہو، اگر ''جو اللہ اور محمد ﷺ چاہے'' کے الفاظ نہ کہو۔ صبح ہوئی تو میں نے یہ بات کچھ لوگوں کو بتائی۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ سے بھی یہ بات عرض کی۔ فرمایا کسی اور کو بھی بتایا؟ عرض کی جی ہاں! (آپ ﷺ منبر پر کھڑے ہوئے) اللہ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: امابعد! طفیل (رضی اللہ عنہ) نے ایک خواب دیکھا ہے جو تم میں سے بعض کو بتا بھی دیا ہے، تم ایک ایسا جملہ

بولتے تھے کہ میں اِس سے تم کو روکنے میں شرم محسوس کرتا تھا۔ تم آئندہ ''جو اللہ اور محمد چاہے'' نہ کہا کرو بلکہ کہا کرو ''جو اکیلا اللہ چاہے''۔

پیش نظر حدیث میں جس خواب کا تذکرہ سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ سچا خواب تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصدیق فرمائی اور اس کے مطابق عمل کرنے کی تاکید بھی فرمائی۔ اس حدیث میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت سے فرمایا: ''وہی کام ہوگا جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ چاہیں گے، کہنا حرام ہے''۔ بلکہ اس حدیث اور گزشتہ حدیث دونوں میں فرمایا کہ صرف ''جو اللہ اکیلا چاہے کہا کرو''۔ اس میں شک نہیں کہ اس حدیث میں جس عمل پر حکم کرنے کو کہا گیا ہے وہ اخلاص کا مکمل اور اعلیٰ ترین مقام ہے اور شرک سے بہت دُور ہے۔ کیونکہ اِس میں اس توحید کی صراحت ہے جو تہدید کے ہر پہلو کی نفی کرتی ہے۔ لہٰذا ہر عقلمند اور صاحب بصیرت شخص توحید اور اخلاص کے اعلیٰ مقام کو ہی اپنے لئے پسند کرے گا۔

طفیل رضی اللہ عنہ بن عبداللہ کی خواب سننے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں اس مذکورہ حدیث میں مذکور الفاظ کہنے کو سختی سے منع فرمایا اور دِین اسلام کے مکمل ہونے تک اس مسئلہ کو بار بار ذہن نشین کرواتے رہے، اور اس کی تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔

طفیل بن عبداللہ کے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی جھلک پائی جاتی ہے! جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''اچھا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

خواب اگرچہ نیند ہی کی حالت میں دیکھا جاتا ہے لیکن یہ وحی کے درجہ میں آتا ہے۔ نبی کے خواب سے امر و نہی کے بارے میں وہی احکام مرتب ہوں گے جو براہِ راست وحی کے نزول سے ثابت ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

# فیہ مسائل

☆ شرک اصغر سے یہودیوں کا آگاہ ہونا۔ ☆ خواہشات کے دباؤ کے وقت اِنسان کا شرک سے متعلق خوب آگاہ ہونا۔ ☆ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا ہے۔ ☆ ماشاء اللہ وشاء محمد کہنا شرک اصغر ہے نہ کہ شرک اکبر۔ ☆ اچھا خواب وحی کی اقسام میں سے ہے۔ ☆ اچھا خواب بعض اوقات کسی حکم کی وضاحت اور تشریح کے لئے دکھائی دیتا ہے۔

# باب

من سب الدهر فقد اذه الله

## اس باب میں اس اہم بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ زمانے کو گالی دینا اللہ تعالیٰ کو ایذا رسانی کے مترادف ہے۔

وقول الله تعالى وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (الجاثیۃ:۲۴)۔

اور کہتے ہیں کہ ہماری زندگی تو صرف دُنیا ہی کی ہے کہ یہیں مرتے اور جیتے ہیں اور ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں، صرف گمان سے کام لیتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''اللہ تعالیٰ دریہ اور کفار، اور ان کے ہمنوا مشرکین عرب کے قیامت کے انکار کے بارے میں فرماتا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کو ہی اصل قرار دیتے ہیں جس میں ایک کے بعد دوسری قوم آتی اور اپنی زندگی گزار کر چلی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک دوبارہ اٹھائے جانے، اور قیامت کے برپا ہونے کا کوئی معقول جواز نہیں ہے''۔

یہ تھا مشرکین عرب کا عقیدہ جو معاد کے منکر تھے اور فلاسفہ الہین کا بھی یہی عقیدہ ہے جو نہ تو ابتدائے آفرینش کے قائل ہیں اور نہ قیامت کو مانتے ہیں۔ نیز فلاسفہ دہریہ یا فلاسفہ دَوریہ کا بھی یہی عقیدہ ہے یہ لوگ صانع حقیقی کے منکر ہیں۔ مزید برآں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر چھتیس ہزار سال کے بعد دوبارہ ہر چیز اپنی پہلی

شکل وصورت میں آ جاتی ہے۔ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے اور رہے گا۔پس ان لوگوں نے ہر معقول بات اور منقول دلائل کو پس پشت ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے وہ کہتے ہیں کہ ''ہمیں تو زمانہ مار دیتا ہے''۔صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''ان کو اس کا کچھ بھی علم نہیں وہ صرف ایک گمان رکھتے ہیں''۔ان مشرکین کی یہ اپنی خیالی باتیں ہیں اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

**و فی الصحیح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی یُؤْذِیْنِی ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّهْرَ وَ اَنَا الدَّهْرُ اُقَلِّبُ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ و فی روایة لَا تَسُبُّوا الدَّهْرَ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الدَّهْرُ**

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کہ ابن آدم زمانہ کو گالی دے کر مجھے تکلیف دیتا ہے کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں دِن اور رات میں تبدیلی میں ہی کرتا ہوں۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''زمانہ کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ ہی زمانہ ہے''۔

صحیحین، ابوداؤد، اور نسائی کی وہ روایت جو سفیان بن عینیہ، عن الزہری عن سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ فرماتا ہے کہ: ''ابن آدم زمانے کو گالی دے کر مجھے تکلیف پہنچاتا ہے کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں تمام اُمور کی باگ ڈور ہے، دن اور رات میں تبدیلی میرا کام ہے۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ زمانے کو گالی نہ دیا کرو کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں۔ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ابن آدم کو یہ بات نہ کہنی چاہیئے کہ اے زمانے! تیرا ستیاناس ہو، کیونکہ میں ہی زمانہ ہوں۔دن رات کو میں ہی بھیجتا ہوں، میں جب چاہوں گا اِن کو ختم کر دوں گا''۔

مشرکین عرب کا یہ دستور تھا کہ وہ زمانے کی مذمت کیا کرتے تھے۔جب بھی اُن پر کوئی آفت اور مصیبت نازل ہو جاتی تو زمانے کو گالی دینا شروع کر دیتے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ان مصائب ومشکلات کو زمانے کی طرف منسوب کرتے اور کہتے کہ ہم کو زمانے کے نشیب وفراز نے تباہ کر دیا ہے۔تو نتیجتاً ان کی گالیوں کا براہِ راست ہدف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہوتی کیونکہ حقیقی طور پر وہ تمام اُمور جو مشرک سرانجام دیتے ہیں ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہے لہٰذا زمانے کو گالیاں دینے سے روک دیا گیا''۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے اپنے

بندے سے قرض طلب کیا اور اُس نے مجھے نہیں دیا۔ اور الٹا مجھے یوں گالی دی کہ ''ہائے زمانہ'' کیونکہ میں ہی حقیقت میں زمانہ ہوں۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ اران کے ہمنوا علمائے ظاہریہ نے اسی حدیث کو سامنے رکھ کر الدہر کو اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں شمار کیا ہے۔ ان کا یہ قیاس اور اجتہاد درست نہیں۔ الدہر کے معنی کی خود اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی کہ ''رات اور دن کو میں ہی بدل کر لاتا ہوں''۔ زمانے میں انقلاب وتغیر صرف اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ ان میں بعض تغیرات کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں اور بعض کو ناگوار قرار دیتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ جو کچھ زمانے میں خیر وشر کا وقوع ہو رہا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اُس کے علم میں ہے اور اس کی حکمتوں کے مطابق ہو رہا ہے۔ جس میں کسی غیر اللہ کو قطعی طور سے شرک نہیں ہے۔ کیونکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور اُس سے حسن ظن رکھنا چاہیئے اور انتہائی درماندگی اور بے بسی کی حالت میں اس کی رحمت کی اُمید ہونی چاہیئے اور اسی سے توبہ واستغفار کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے اُن کی آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں''۔ (الاعراف:۱۶۸)۔ ایک مقام پر ارشادِ ربانی ہے کہ: (ترجمہ) ''اور ہم اچھے اور برے حالات میں ڈال کر تم سب کی آزمائش کر رہے ہیں آخر کار تمہیں ہماری ہی طرف پلٹنا ہے۔

## فیہ مسائل

☆ زمانے کو گالی دینے سے روکنا۔ ☆ زمانہ کو گالی دینا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے۔ ☆ زمانے کو برا کہنا بعض اوقات گالی ہی ہوتا ہے اگرچہ انسان کے دِل میں گالی دینا مقصود نہ ہو۔

## باب

### التسمی بقاضی القضاۃ و نحوہٖ

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو ''قاضی القضاۃ'' کہنے کی ممانعت میں یہ عنوان تجویز

کیا ہے۔ آئندہ سطور میں آنے والی حدیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ عنوان قائم کیا ہے اور اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے خالق حقیقی سے مشابہت پائی جاتی ہے۔

**وفی الصحیح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِنَّ اَخنَعَ اِسمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ لَا مَالِکَ اِلَّا اللهُ قَالَ سُفْیَانُ مِثْلَ شَاهَانِ شَاهُ و فی روایة اَغْیَظُ رَجُلٍ عَلَی اللهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ اَخْبَثُهٗ قوله اَخْنَعَ یَعْنِیْ اَوْضَعَ**

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ حقیر شخص وہ ہے جو اپنے آپ کو شہنشاہ کہلاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی شہنشاہ نہیں ہے۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، جیسے شاہانِ شاہ۔ ایک روایت میں ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مغضوب اور خبیث کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ اخنع کے معنی سب سے زیادہ ذلیل وخوار۔

مَلِکُ الْاَمْلَاکِ کا لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی بولا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ سے بڑا، اور عظیم کوئی بادشاہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ وہ مالک الملک ذوالجلال والاکرام ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اقتدار دیتا ہے اور وہ بھی عارضی طور پر اور جب چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے کہ وہ اقتدار کو ایک سے چھین کر دوسرے کے سپرد کر دیتا ہے۔ ثابت ہوا کہ دنیا کی سلطنت عارضی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ البتہ ربُّ العالمین اور احکم الحاکمین کی بادشاہت کامل اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ اس کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ اس کو کبھی ختم ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں انصاف ہے وہ اس کی وجہ سے کسی کو بلند کرتا ہے اور اس کی بنیاد پر کسی کو ذلیل ورسوا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے اعمال کی تفصیلات کو اپنے علم اور اپنے فرشتوں یعنی کراماً کاتبین کے ذریعہ محفوظ رکھتا ہے۔ ان ہی اعمال کے مطابق انسان کو بدلہ ملے گا۔ اگر اچھے کام کئے تو اجر ملے گا ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے اللہ! تمام حمدیں تیرے ہی لئے ہیں اور ساری کائنات کی بادشاہت تیری ہی ہے ہمہ قسم کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے تمام اُمور کی باگ ڈور تیرے ہی قبضے میں ہے۔ اے اللہ! میں تمام بھلائیاں تجھی سے مانگتا ہوں اور ہر قسم کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

پس ایسے شخص کے بارے میں یہ دو اُمور بیک وقت جمع ہونے کی دو وَجہیں تھیں۔ایک یہ کہ اُس نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا، اور دوسری یہ کہ لوگ اس کلمہ کی وجہ سے اسے بڑا سمجھیں چانچہ یہ دونوں وصف ایسے ہیں جن کا یہ اہل نہ تھا۔نتیجہ یہ شخص تمام مخلوقِ الٰہی سے زیادخبیث اللہ کے نزید مغضوب علیہ اور حقیر ترین بن گیا اور خبیث اور مبغوض شخص قیامت کے دن تمام مخلوق سے زیادہ حقیر اور ذلیل متصور ہوگا۔کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بنا پر مخلوقِ الٰہی کے سامنے اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرتا رہا۔

زیر بحث حدیث میں ہر اُس امر سے ڈرایا گیا ہے جس میں اپنے آپ کو بڑا بنانے کا اظہار کیا گیا ہو۔اس سلسلے میں سنن ابی داؤد میں ابن ابی مجلز سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سیدنا ابن زبیر اور ابن عامر رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لائے تو ابن عامر نے کھڑے ہو کر استقبال کی۔لیکن ابن زبیر رضی اللہ عنہ بدستور بیٹھے رہے۔یہ دیکھ کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عامر سے کہا کہ آپ بھی بیٹھ جائیں کیونکہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:''جو شخص یہ چاہے کہ دوسرے لوگ اُس کے لئے کھڑے ہوں تو اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم قرار دے لینا چاہیئے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''عجمیوں کی طرح کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے نہ ہوا کرو جس سے ایک دوسرے کی عظمت ہوتی ہو''۔یہ صفت ان صفات سے ہے جن کو جوں کا توں سمجھنا ضروری ہے۔اسی طرح کتاب وسنت میں جو صفات مذکور ہیں ان کا اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کو لائق ہے۔ہم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو بلا تمثیل وتنزیہہ، اور بلا تعطیل ثابت مانتے ہیں۔اہل سنت، صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور ان کے بعد تمام اسلامی فرقوں کا یہی مسلک اور مذہب ہے۔اور وہ اختلاف جو اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے، یہ تیسری صدی ہجری کے آخری دَور کی پیداوار ہے۔اور اسی تفریق اور اختلاف کی وجہ سے اُمت محمد یہ صلی اللہ علیہ وسلم صراط مستقیم سے ہٹ گئی ہے۔یہ بات ہر اُس شخص کو معلوم ہے جو تاریخ پر گہری نگاہ رکھتا ہے۔واللہ المستعان۔

# فیہ مسائل

☆ کسی کو مَلِکَ الْاَمْلَاکِ یعنی شہنشاہ یا شاہانِ شاہ کے نام سے موسوم کرنے کی ممانعت۔ ☆ ہر وہ لفظ یا جملہ

جس سے مَلِک الْمُلَاکِ کے معنی ظاہر ہوں، اس کی ممانعت۔ ☆اس باب میں اور دوسرے تمام مقامات پر جہاں اس قسم کی شدت اختیار کی گئی ہے، اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت۔ اگرچہ دِلی کیفیت اس کے مفہوم و معنی کی متحمل نہ بھی ہو پھر بھی اس قسم کے القاب و اسماء کا استعمال ممنوع ہے۔ ☆اس بات کو بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ اس نوعیت کی تمام شدتیں صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت ہی کی وجہ سے اختیار کی گئی ہیں۔

# باب

**احترام اسماء اللہ تعالیٰ**

## اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسما و صفات کی تعظیم کی جائے اور اسی بنیاد پر مشرکانہ ناموں کو بدل ڈالنا ضروری ہے۔

**عن ابی شریح رضی اللہ عنہ اَنَّهُ كَانَ يُكْنٰى اَبَا الْحَكَمِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَ اِلَيْهِ الْحُكْمُ فَقَالَ اِنَّ قَوْمِيْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِيْ شَيْءٍ اَتَوْنِيْ فَحَكَمْتُ بَيْنَهُمْ فَرَضِيَ كِلَا الْفَرِيْقَيْنِ فَقَالَ مَا اَحْسَنَ هٰذَا**

سیدنا ابوشریح رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالحکم تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا صرف اللہ ہی حَکم ہے اور حُکم اُسی کا ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری قوم کے افراد جب کسی معاملے میں اِختلاف کرتے ہیں تو میرے پاس آجاتے ہیں، میں اُن کا فیصلہ کر دیتا ہوں جس پر دونوں فریق رضامند ہوجاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی اچھی بات ہے۔ فرمایا تیری اولاد کیا ہے؟ عرض کیا شریح، مسلم اور عبداللہ۔ فرمایا ان میں سے بڑا کون ہے؟ میں نے کہا شریح! فرمایا: تو ٹھیک ہے تم ابوشریح ہو۔

دنیا اور آخرت میں صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل فرما کر فیصلہ کرتا ہے جو اس نے اپنے تمام انبیاء و رُسل پر نازل فرمائی۔ ان فیصلوں کو سمجھنا اُمت محمدیہ کے اہل علم

اور اصحابِ بصیرت پر اللہ تعالیٰ نے آسان فرمایا کیونکہ بحیثیت مجموع اُمت محمد یہ ﷺ گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ بعض مسائل میں اگرچہ علمائے اُمت نے مختلف رجحانات رکھتے ہیں لیکن ان میں کسی ایک کا حق پر ہونا لازمی اور ضروری ہے، لہٰذا جس خوش نصیب کو اللہ تعالیٰ نے قوت فہم اور صحیح بات کو سمجھنے اور پرکھنے کا ملکہ عطا فرمایا ہے اُس کے لئے حق بات کو پالینا کوئی مشکل کام نہیں۔ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان اور اُس کی خاص توفیق سے ہی ممکن ہے اور یہ اللہ کریم کا خاص عطیہ اور اس کا فضل ہے۔ ہم سب اللہ کریم سے اس عظیم عطیہ اور فضل کی بھیک مانگتے ہیں۔ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ:

(ترجمہ) تمہارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو، اس کا فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے'' (الشوریٰ:۱۰)

''اور اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ تعالیٰ اور رُسول ﷺ کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے''۔ (النساء:۵۹)۔

لہٰذا متنازعہ فیہ مسائل میں اللہ تعالیٰ ہی کو حکم ماننا چاہیئے۔ اس کی واحد صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور یا پھر اپنے جھگڑے کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں آپ ﷺ کی خدمت میں جا کر فیصلہ کروایا جائے۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا کرتے تھے۔ اور اب آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی سنت اور احادیث کو مشعل راہ بنایا جائے اور اس کے مطابق اپنے اختلافات کو ختم کیا جائے۔

آجکل احکامِ کتاب وسنت سے ناواقف لوگ جس افراط وتفریط میں گھرے ہوئے ہیں اس کی سب سے بڑی وجہ کتاب وسنت سے عدم واقفیت ہے وہ کتاب وسنت سے جاہل ہونے کے باوجود اجتہاد سے کام لیتے ہیں۔ افسوس صد افسوس۔ قیامت کے دن جب اللہ کریم اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے نزولِ اجلال فرمائے گا تو وہاں کسی کو دم مارنے کی جرات نہ ہوگی۔ وہاں صرف اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ کرے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے مطابق فیصلہ فرمائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے ہر قسم کی اعمال سے آگاہ اور باخبر ہے وہاں انصاف ہی انصاف ہوگا۔ اللہ کریم فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اُسے دوچند کرتا ہے اور اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے''۔ (النسا:۴۰)۔

قیامت کے دن فیصلہ بھلائی اور برائی کے درمیان ہوگا۔ ظالم کے ظلم کے مطابق اُس کی نیکیاں لے کر

مظلوم کے حوالے کر دی جائیں گی اور اگر ظالم کے اعمال میں نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کی برائیاں اٹھا کر ظالم پر ڈال دی جائیں گی اور اس فیصلہ میں فریقین پر ذرہ برابر زیادتی نہ ہوگی بلکہ عدل وانصاف سے فیصلہ ہوگا۔

ابوشریح رضی اللہ عنہ کی قوم نے جب دیکھا کہ ابوشریح عدل وانصاف سے فیصلہ کرتے ہیں اور فریقین ان سے خوش ہوتے ہیں تو وہ اپنے اس وصف کی وجہ سے ہر شخص کے منظورِ نظر بن گئے۔ اسی کو صلح کہتے ہیں کیونکہ صلح کا دارومدار ہی رضا پر ہے نہ کہ دوسرے پر بوجھ ڈالنے اور یہود ونصاریٰ کی طرح کہانت پر اعتماد وانحصار کرنے پر۔

صلح کا دارومدار اس پر بھی نہیں کہ اہل جاہلیت کی طرح بڑوں کے اقوال کو مستند سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ وہ کتاب وسنت کے خلاف اپنے اکابر اور اسلاف سے فیصلہ کراتے تھے جیسے آجکل اہل طاغوت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت ڈال کر اپنی خواہشات اور مرضی کے مطابق فیصلے کرتے ہیں آجکل اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثریت اسی مرض میں مبتلا ہے۔

بعض مقلدین کا بھی یہی حال ہے کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے جس کی تقلید کرتے ہیں اس کے قول پر اعتماد کرتے ہیں اور صحیح مسلک یعنی کتاب وسنت کو چھوڑے ہوئے ہیں۔ اناللہ و انا الیہ راجعون۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنی کنیت رکھنا چاہے تو بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے لڑکے کے نام سے کنیت رکھے۔ اس مسئلہ کی تائید میں محدثین کرام نے احادیث بھی نقل فرمائی ہیں

## فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات کی عزت وتکریم کرنی چاہیئے اگرچہ استعمال کرتے وقت اس کا معنی مقصود نہ ہو ☆ رب کریم کے اسماء وصفات کی عزت وتکریم کی وجہ سے نام تبدیل کر لینا۔ ☆ اپنی کنیت رکھتے وقت بڑے بیٹے کے نام کو اختیار کرنا۔

## باب

**من هزل بشی فیه ذکر الله او القرآن او للرسول**

**اس باب میں یہ بیان کیا جائے گا کہ قرآن کریم، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی**

## ایسی چیز کا مذاق اُڑانا جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے ایک کافرانہ فعل ہے۔

**قولہ تعالی وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَ رَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ (التوبہ:٦٥)**

اگر ان سے پوچھو کہ تم کیا باتیں کر رہے تھے تو جھٹ کہہ دیں گے کہ ہم تو ہنسی مذاق اور دل لگی کر رہے تھے۔ ان سے کہو ''کیا تمہاری ہنسی، دل لگی اللہ، اس کی آیات اور رسول ﷺ ہی کے ساتھ تھی''۔

حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ ''(غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران) منافقین میں سے ایک شخص نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ ☆ ہمارے یہ قراء پیٹ کے پجاری، ☆ زبان کے جھوٹے، ☆ اور میدان جنت میں انتہائی بزدل ثابت ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس منافق کی اس غلط بات کو رسول اکرم ﷺ کے سامنے لایا گیا، یہ منافق بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ اس کی تیز رفتاری کے باعث زمین کے چھوٹے چھوٹے پتھر اس کے قدموں سے الجھ رہے تھے، ان کی پروا کئے بغیر وہ آپ کے پاس پہنچا اور آپ ﷺ نے اس بیہودہ بات کے متعلق سوال کیا تو اس منافق نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم تو آپس میں استہزا کر رہے تھے اور مذاق بازی ہو رہی تھی تاکہ سفر کی تکلیف محسوس نہ ہو۔ آپ ﷺ نے قرآن کریم کی تازہ نازل شدہ آیت تلاوت فرمائی' (ترجمہ) ''اب عذر نہ تراشو۔ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم نے تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیا تو دوسرے گروہ کو تو ہم ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہے''۔ (التوبہ:٦٥)۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ جنگ تبوک کے سفر کے دوران منافقین میں سے بنی اُمیہ سے ودیعہ بن ثابت، اور قبیلہ اشجع سے مخشی بن حمیر، رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اشارہ کر کے ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''ان لوگوں نے بنواصفر کے بہادروں کو جن کے ساتھ جنگ کے لئے ہم جا رہے ہیں یوں سمجھ لیا ہے جیسے کہ عرب آپس میں جنگ کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ کل رسیوں میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔ یہ جملہ ان منافقین نے مومنین کو ڈرانے اور خوفزدہ کرنے کے لئے کہا تھا۔ مخشی بن حمیر بولا: ہم میں سے ہر شخص ایک ایک سو کوڑے کی سزا کا مستحق ہے کیونکہ مجھے یہ خطرہ ہے کہ ہماری اس ناروا بات پر قرآن نازل ہو چکا ہوگا۔ اُدھر رسولِ اکرم ﷺ نے سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ، ان منافقین نے بیہودہ باتیں کر کے اپنے آپ کو تباہ کر لیا ہے۔ ان سے پوچھو کہ تم نے اس قسم کی باتیں کی ہیں؟ اگر وہ انکار کریں تو ان سے کہہ دینا کہ تم نے یہ الفاظ کہے ہیں۔

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے جا کر ان منافقین سے جب یہ پوچھا تو وہ فوراً رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر معذرت کرنے لگے۔ اس وقت رسول اکرم ﷺ اپنی سواری پر کھڑے تھے۔ ودیعہ بن ثابت رسول اللہ ﷺ کی سواری کی پیٹی پکڑ کر کہنے لگا یارسول اللہ ﷺ ''ہم تو آپس میں ہنسی مذاق کر رہے تھے''۔ مخشی بن حمیر بولا: یارسول اللہ ﷺ میرے اور میرے باپ کے نام نے مجھے تباہ و برباد کر دیا ہے۔ یہ سچے دل سے تائب ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا گیا۔ اس عبدالرحمٰن نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ مجھے شہادت نصیب ہو اور ایسی جگہ پر شہادت ہو کہ میری جگہ کا بھی کسی کو پتہ نہ چلے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو شرفِ قبولیت بخشا اور یہ فرزند اسلام جنگ یمامہ میں شہید ہوا اور اسکی لاش کا بھی پتا نہ چل سکا کہ کہاں ہے

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم فرمایا ہے کہ وہ ان کو یہ فیصلہ سنا دے کہ: ''قَدْ كَفَرتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ'' ان لوگوں کی بات درست نہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ یہ لوگ زبانی ایمان لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں اگرچہ یہ لوگ دِل سے تو پہلے ہی کافر تھے کیونکہ زبان سے ایمان کا اظہار اور دِل سے کفر و اِنکار کرنا ظاہری کفر کے برابر ہے۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ ایمان کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ وہ حقیقتاً پہلے ہی کافر تھے۔ اگر یہ مراد لیا جائے کہ ''تم نے ایمان کے اظہار کے بعد کفر کا اظہار کیا ہے تو انہوں نے اس کا اظہار عام لوگوں کے سامنے نہیں کیا تھا بلکہ اپنے خاص آدمیوں میں کیا تھا اور وہ ہمیشہ اپنے خواص ہی کے ساتھ رہے۔ اور الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ہمیشہ منافق ہی رہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ''اگرچہ ان منافقین نے اعتقاداً نہیں بلکہ صرف زبان سے کفریہ کلمات کہے تھے کہ ہم نے مذاق اور استہزا کے طور پر یہ کہا تھا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات بینات سے مذاق کرنا کفر ہے مگر یہ اس شخص کے لئے ہوگا جس نے اس بات کا آغاز کیا۔ اگر ان لوگوں کے دل میں ایمان موجود ہوتا تو وہ لوگ اس قسم کی گفتگو نہ کرتے۔ قرآن کریم کی یہ بات بار بار واضح کرتی ہے کہ دل سے ایمان کا اقرار کرنا ظاہری عمل کو مستلزم ہے جیسے ایک جگہ فرمایا ہے: (ترجمہ) ''یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ اور رسول ﷺ پر اور ہم نے اطاعت قبول کی، مگر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ (اطاعت سے) منہ موڑ جاتا ہے۔ ایسے لوگ ہرگز مومن نہیں ہیں''۔ (آیت ۵۱ تک)۔ ان آیات میں اس شخص کے

ایمان کی نفی کی گئی ہے جو اطاعت رسول ﷺ سے اعراض کرتا ہے۔اس کے مقابلے میں ایمان داروں کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان متنازعہ فیہ مسائل میں فیصلہ کردیں تو یہ پوری دلجمعی سے سنتے اور اطاعت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اس کی وضاحت فرمائی ہے کہ اطاعت اور فرمانبرداری ایمان کا جزولاینفک ہے''۔

زیرنظر واقعہ میں اس بات کو پوری طرح واضح کیا گیا ہے کہ بعض اوقات انسان کو کسی جملے یا عمل کی وجہ سے کافر قرار دیا جاسکتا ہے۔اس سلسلے میں دِل کے ارادے انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔دل کی مثال اُس سمندر کی سی ہے جس کا ساحل نہ ہو۔نفاقِ اکبر سے خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ان منافقین کے ناگفتہ بہ جملہ کہنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کو ثابت کیا ہے جیسا کہ ابن ابی ملکہ نے کہا تھا:''میں نے تیس ایسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھا ہے جو اپنے بارے میں نفاق سے بہت ڈرتے تھے۔

# فیہ مسائل

☆ سب سے اہم اور بڑا مسئلہ یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اکرم ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے مذاق کرے وہ کافر ہے۔ ☆ جو بھی اس قسم کے گھناؤنے فعل کا مرتکب ہوگا تو اِسی آیت کی روشنی میں اُس پر حکم لگایا جائے گا۔ ☆ چغلی اور اللہ ورسول ﷺ کے لئے نصیحت کرنے میں فرق۔ ☆ وہ عفو جسے اللہ کریم پسند کرتا ہے،اس میں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے پیش آنے میں فرق۔ ☆ بعض ایسے بھی عذر ہیں جن کو قبول نہیں کیا جاسکتا۔

# باب

**قول اللہ تعالیٰ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ (فصلت:۵۰)**

**جونہی سخت وقت گزر جانے کے بعد ہم اُسے اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں،**

یہ کہتا ہے کہ ''میں اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت کبھی آئے گی لیکن اگر واقعی میں اپنے رب کی طرف پلٹایا گیا تو وہاں بھی مزے کروں گا'' حالانکہ کفر کرنے والوں کو لازماً ہم بتا کر رہیں گے کہ وہ کیا کر کے آئے ہیں۔ اور انہیں ہم بڑے گندے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

اس آیت کریمہ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب التوحید میں مفسرین کی عبادت کو نقل فرمایا ہے جیسے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ۔ یہ عبارتیں اتنی واضح ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان کی بالکل تشفی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم ان عبارتوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

**قال مجاهد رحمۃ اللہ علیہ هٰذَا بِعَمَلِیْ وَ اَنَا مَحْقُوْقٌ بِهٖ و قال ابن عباس رضی اللہ عنہ یُرِیْدُ مِنْ عِنْدِیْ وقوله قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ**

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے ''ھٰذا لی'' کا مفہوم یہ ادا کیا ہے کہ ''میں اپنے اعمال کی وجہ سے ان انعامات کا حقدار تھا''۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ''ھٰذا لی'' کا مفہوم یہ بیان فرمایا ہے کہ ''یہ انعامات میری ہی کوشش کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں''۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا فرمایا ہے ''چونکہ میں مختلف علوم وفنون کا ماہر تھا اس لئے ان کی وجہ سے مجھے یہ سب کچھ ملا ہے''۔ دوسرے علمائے کرام نے یہ فرمایا ہے کہ ''چونکہ اللہ کو میرے بارے میں یہ علم تھا کہ میں اس کا اہل اور حقدار ہوں لہٰذا مجھے یہ سب کچھ دے دیا گیا ہے''۔ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے جو معنی بیان کئے تھے وہ دوسرے علما کے مفہوم کے خلاف نہیں۔ جس قدر مفہوم بیان کئے گئے ہیں ان میں کوئی اختلاف نظر نہیں آتا بلکہ ایک ہی معنی واضح ہوتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین قسم کے شخص تھے۔ ایک کوڑھی، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہے تو اُن کی طرف فرشتہ بھیجا۔ فرشتہ کوڑھی کے پاس آیا اور پوچھا تجھے سب سے زیادہ کیا پسند ہے؟ اُس نے جواب دیا اچھا رنگ اور اچھی چمڑی۔ اور یہ کہ یہ بیماری مجھ سے رفع ہو جائے جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے کراہت کرتے ہیں۔ فرشتے نے اُس پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بیماری رفع ہوگئی۔ اب اُسے عمدہ رنگ بھی عطا کیا گیا اور

بہترین چمڑی بھی عنایت فرمائی گئی۔ پھر سوال کہ اب تمہیں کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟ جواب میں اُس نے اونٹ یا گائے (راوی اسحٰق کو شک ہے) چنانچہ اسے حاملہ اونٹنی دی گئی اور کہا اللہ تیرے لئے اس میں برکت پیدا کرے۔ پھر فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اُس سے کہا تجھے کیا چیز زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا عمدہ بال اور یہ کہ یہ بیماری جس کی وجہ سے لوگ مجھ سے کراہت محسوس کرتے ہیں، مجھ سے رفع ہو جائے۔ اب فرشتے نے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرا اور وہ بیماری ختم ہوگئی اور ساتھ ہی اُسے بہترین بال بھی عطا کئے گئے۔ اس کے بعد فرشتے نے اس سے پوچھا تمہیں کون سا مال زیادہ پسند ہے؟ کہا گائے یا اونٹ۔ چنانچہ اس کو حاملہ گائے دی گئی اور کہا اللہ تیرے لئے اِس مال میں برکت عطا کرے۔ اب فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اس سے سوال کیا کہ تجھے کون سی چیز پسند ہے؟ اُس نے کہا یہ کہ اللہ میری بینائی واپس لوٹا دے جس سے میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اللہ نے اس کی بینائی واپس لوٹا دی۔ اس کے بعد پوچھا تجھے کون سا مال زیادہ محبوب ہے؟ کہا بکری۔ چنانچہ اس کو حاملہ بکری عطا کی گئی۔ کچھ مدت بعد ان سب کے ہاں اتنی تعداد میں بچے بڑھے کہ اُس کا ایک میدان اونٹوں کا ہو گیا، اُس کا ایک میدان گائے کا اور اُس کا بکری کا۔ پھر وہی فرشتہ کوڑھی کے پاس، اسی پہلی شکل وصورت میں آیا اور کہا کہ میں مسکین آدمی ہوں، میرے تمام اسباب منقطع ہو چکے ہیں اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ میں آج اپنے وطن میں اللہ کی مدد اور پھر تیری مدد کے بغیر نہیں پہنچ سکتا میں تجھ سے اُس ذاتِ پاک کے ذریعے سے، جس نے تجھے خوبصورت رنگ، بہتر چمڑی اور مال عطا کیا ہے، یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے ایک اونٹ دے دے جس پر میں سفر کر کے اپنے وطن پہنچ سکوں۔ اُس نے کہا مجھے بہت سی ضرورتیں درپیش ہیں۔ فرشتے نے کہا غالباً میں تجھے پہچانتا ہوں کیا تو کوڑھی نہ تھا؟ تجھ سے لوگ کراہت محسوس کرتے تھے، فقیر نہ تھا؟ تجھے اللہ عزوجل نے یہ مال عطا کیا۔ اس نے کہا یہ مال مجھے وراثت میں حاصل ہوا ہے میں نے اسے اپنے باپ دادا سے پایا ہے۔ اس نے کہا اگر تو کذب بیانی کرتا ہے تو اللہ پھر تجھے ایسا ہی کر دے جیسا تو پہلے تھا۔ بعد ازاں وہ فرشتہ گنجے کے پاس اُسی کی صورت میں آیا۔ اس سے بھی وہی بات کی جو کوڑھی سے کی تھی اور اس نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا تو فرشتے نے اس سے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تجھے پھر ویسا ہی کر دے جیسا کہ تو اُس سے پہلے تھا۔ پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس آیا، اِسی کی شکل وصورت میں۔ کہا میں ایک مسکین اور مسافر ہوں۔ میرا تمام سامانِ سفر اور زادِ راہ ختم ہو چکا ہے۔ آج مجھے اپنی پہنچ کے لئے اللہ کی مدد اور پھر تیری امداد کے سوا کوئی اور ذریعہ دکھائی نہیں دیتا میں تجھ سے اُس ذات کا واسطہ دے کر جس نے تجھے

تیری بینائی لوٹائی، ایک بکری کا سوال کرتا ہوں۔ اس نے جواب دیا میں اندھا تھا، اللہ نے مجھے بینائی کی نعمت عطا فرمائی۔ تیرا جو جی چاہے لے لے اور جو جی چاہے چھوڑ دے۔ اللہ کی قسم آج تو جو کچھ بھی اللہ کے نام پر لے گا، میں اس میں تجھ سے کوئی جھگڑا نہ کروں گا۔ فرشتے نے کہا اپنا مال اپنے پاس رکھو۔ تم آزمائے جا چکے۔ اللہ تجھ پر خوش ہو گیا اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا۔ (بخاری و مسلم)۔

پیش نظر حدیث بہت اہم ہے۔ اس میں بیشمار عبرتیں اور نصیحتیں مضمر ہیں غور فرمائیے کہ پہلے دو آدمیوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا اور نہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا اور نہ حقوق اللہ ادا کئے نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب کا شکار ہو گئے۔ البتہ نابینا شخص نے اللہ تعالیٰ کے انعامات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ حقوق اللہ کی ادائیگی کا فریضہ انجام دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اُس نے شکر کے ان تینوں ارکان پر عمل کیا جن کے علاوہ شکر کا وجود ہی ممکن نہیں۔ شکر کے تین ارکان یہ ہیں: ۱۔ اقرارِ نعمت۔ ۲۔ انعامات کو منعم حقیقی کی طرف منسوب کرنا۔ ۳۔ انعام کرنے والے کی رضا کے مطابق انعامات کو خرچ کرنا۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''حقیقت شکر یہ ہے کہ انسان انتہائی عجز و انکساری سے اللہ کریم کے انعامات کا دِل سے اعتراف کرے اور دل کی گہرائیوں سے منعم حقیقی سے محبت رکھے کیونکہ جو شخص اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے انعامات کی حقیقت کو نہیں سمجھتا وہ انعامات کا شکر ادا کیسے کر سکتا ہے؟ اور جو شخص انعامات کو تو پہچان لیا ہے لیکن منعم کو نہیں پہچانتا وہ بھی شکر ادا نہیں کر سکتا۔ اور جو شخص مندرجہ بالا تمام اُمور کو بطریق احسن انجام دیتا ہے وہی حقیقت میں شکر کا حق ادا کرتا ہے۔ شکر کے لئے دل میں علم ہونا، علم کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان منعم کی طرف میلان رکھتا ہے۔ اُس سے محبت کرتا ہے اور اُس کے سامنے عجز و انکساری سے پیش آتا ہے''۔

# باب

**قول اللہ تعالیٰ و للہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ**

اس باب میں اس حقیقت کو نکھار کر بیان کیا گیا ہے کہ اسمائے حسنیٰ اللہ تعالیٰ ہی

کے ہیں، ان ہی کی وساطت سے اس کے سامنے دست دعا دراز کرو اور جو لوگ اُس کے ناموں میں شرک والحاد سے کام لیتے ہیں ان کو نظر انداز کر دو۔

وَ لِلّٰہِ الْاَسْمَاءُ الْحُسنٰی فَادْعُوہ بِھَا وَ ذَرُوا الَّذِیْنَ یلحدون فی اَسْمَائِہ

اللہ تعالیٰ اچھے ناموں کا مستحق ہے اس کو اچھے ہی ناموں سے پکارو اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے نام رکھنے میں راستی سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''اللہ کریم کے ننانوے نام ہیں، جو شخص ان کو یاد کرے گا وہ جنت میں جائے گا، اللہ تعالیٰ ایک ہے اور طاق سے محبت کرتا ہے''۔

## اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

| | | | |
|---|---|---|---|
| الرَّحْمٰنُ | الرَّحِیْمُ | الْمَلِکُ | الْقُدُّوْس |
| بڑا مہربان | نہایت رحم والا | بادشاہ | پاک و بے عیب |
| السَّلَامُ | الْمُؤْمِنُ | الْمُھَیْمِنُ | الْعَزِیْزُ |
| سلامتی دینے والا | امن میں رکھنے والا | محافظ | باعزت |
| الْجَبَّارُ | الْمُتَکَبِّرُ | الْخَالِقُ | الْبَارِئُ |
| زبردست | بڑائی والا | پیدا کرنے والا | عالم کا بنانیوالا |
| الْمُصَوِّرُ | الْغَفَّارُ | الْقَھَّارُ | الْوَھَّابُ |
| صورت بنانے والا | بخشنے والا | سب پر غالب | بکثرت دینے والا |
| الرَّزَّاقُ | السَّتَّارُ | الْفَتَّاحُ | الْعَلِیْمُ |
| روزی دینے والا | عیب ڈھانکنے والا | کھولنے والا | ہر چیز جاننے والا |
| الْقَابِضُ | الْبَاسِطُ | الْخَافِضُ | الرَّافِعُ |
| بند کرنے والا | کشادہ کرنے والا | پست کرنے والا | بلند کرنے والا |
| الْمُعِزُّ | الْمُذِلُّ | السَّمِیْعُ | الْبَصِیْرُ |

| | | | |
|---|---|---|---|
| عزت دینے والا | ذلیل کرنے والا | سننے والا | دیکھنے والا |
| الْحَكَمُ | الْعَدْلُ | اللَّطِيْفُ | الْخَبِيْرُ |
| فیصلہ کرنے والا | انصاف کرنے والا | باریک بین | ہر چیز سے باخبر |
| الْحَلِيْمُ | الْعَظِيْمُ | الْغَفُوْرُ | الشَّكُوْرُ |
| بردبار | بزرگ | بخشنے والا | قدردان |
| الْعَلِيُّ | الْكَبِيْرُ | الْحَفِيْظُ | الْمُقِيْتُ |
| سب سے بلند | سب سے بڑا | محافظ ونگہبان | محافظ |
| الْحَسِيْبُ | الْجَلِيْلُ | الْكَرِيْمُ | الرَّقِيْبُ |
| حساب لینے والا | بڑی شان والا | کرم والا | ہر شے کا نگہبان |
| الْمُجِيْبُ | الْوَاسِعُ | الْحَكِيْمُ | الْوَدُوْدُ |
| دعا قبول کرنیوالا | کشادہ رحمت والا | حاکم باحکمت | محبت کرنے والا |
| الْمَجِيْدُ | الْبَاعِثُ | الشَّهِيْدُ | الْحَقُّ |
| بزرگی والا | اٹھانے والا | حاضر | سچا |
| الْوَكِيْلُ | الْقَوِيُّ | الْمَتِيْنُ | الْوَلِيُّ |
| کارساز | زبردست | قوت والا | مددگار |
| الْحَمِيْدُ | الْمُحْصِيُ | الْمُبْدِئُ | الْمُعِيْدُ |
| قابل تعریف | ہر چیز گھیرنے والا | ایجاد کرنے والا | دوبارہ زندہ کرنیوالا |
| الْمُحْيِيُ | الْمُمِيْتُ | الْحَيُّ | الْقَيُّوْمُ |
| زندہ کرنے والا | مارنے والا | ہمیشہ زندہ رہنے والا | نگرانی کرنے والا |
| الْوَاجِدُ | الْمَاجِدُ | الْوَاحِدُ | الصَّمَدُ |
| غنی | بزرگی والا | اکیلا | بے نیاز |
| الْقَادِرُ | الْمُقْتَدِرُ | الْمُقَدِّمُ | الْمُؤَخِّرُ |
| قدرت والا | اقتدار والا | آگے کرنے والا | پیچھے کرنے والا |

| | | | |
|---|---|---|---|
| اَلْاَوَّلُ | اَلْاٰخِرُ | الظَّاهِرُ | الْبَاطِنُ |
| سب سے پہلا | سب سے بعد والا | حاضر | پوشیدہ |
| الْوَالِیُ | الْمُتَعَالِیُ | الْبَرُّ | التَّوَّابُ |
| مالک | بلندشان | بندوں پر مہربان | توبہ قبول کرنے والا |
| الْمُنْتَقِمُ | الْعَفُوُّ | الرَّءُوْفُ | مَالِكُ الْمُلْكِ |
| سزا دینے والا | معاف کرنے والا | نہایت مہربان | جہانوں کا مالک |
| ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ | | الْمُقْسِطُ | الْجَامِعُ |
| جلال وتکریم والا | | عادل | جمع کرنے والا |
| الْغَنِیُّ | الْمُغْنِیُّ | الْمَانِعُ | الضَّارُّ |
| سب سے بے نیاز | بے پرواہ کرنیوالا | روکنے والا | ضرر پہنچانے والا |
| النَّافِعُ | النُّوْرُ | الْهَادِیُ | الْبَدِیْعُ |
| نفع دینے والا | روشنی دینے والا | راہ بتانے والا | ایجاد کرنے والا |
| الْبَاقِیُّ | الْوَارِثُ | الرَّشِیْدُ | الصَّبُوْرُ |
| ہمیشہ باقی رہنے والا | فنائے عالم کے بعد باقی رہنے والا | راہ نما | صبر کرنے والا |

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غرب ہے۔ یہ روایت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئی طرق سے مروی ہے۔ اس حدیث کے علاوہ دوسری روایات میں اسمائے حسنی کا ذکر نہیں ہے۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا کہنا ہے جیسا کہ ولید بن مسلم اور عبدالملک بن محمد صنعانی نے زہیر بن محمد سے روایت کیا ہے کہ اس کو ایک سے زائد اہل علم سے یہ بات پہنچی ہے کہ اسماء کا ذکر حدیث کے اصل الفاظ میں نہیں، بلکہ انہوں نے یہ اسمائے حسنیٰ قرآن مجید سے جمع کئے ہیں۔ جعفر بن محمد، سفیان اور ابی زید لغوی نے اسی طرح بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسمائے حسنیٰ صرف ننانوے کے عدد میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ مسند امام احمد میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جس شخص کو کوئی غم وحزن یا کسی قسم

کی تکلیف پہنچے اور وہ مندرجہ ذیل دعا پڑھے تو اُس کے غموں کے بادل چھٹ جائیں گے اور مصائب ومشکلات کی جگہ خوشی اور مسرت حاصل ہوگی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کی کہ یارسول اللہ! ﷺ ہم وہ دعاء سیکھ لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اُسے ضرور یاد کرلو: (ترجمہ) ''اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں میری پیشانی تیرے قبضہ میں ہے۔ تیرا فیصلہ مجھ پر عدل وانصاف سے جاری ہے، اے اللہ! تیرے تمام اچھے نام جو تو نے اپنے لئے خود تجویز فرمائے ہیں یا تو نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھلائے یا تو نے اُن کو اپنے علم غیب میں منتخب کیا۔ ان کے ذریعہ سے میں یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن کریم کو میرے قلب کی بہار میرے سینے کا نور، میرے غم کی جلا اور میرے غم واندوہ کو ختم کرنے کا ذریعہ اور سبب بنادے۔ (اس روایت کو ابوحاتم بن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)۔

**و ذکر ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ یُلْحِدُوْنَ فِیْ اَسْمَآئِہٖ یُشْرِکُوْنَ وَ عَنْہُ سَمُّوْا اللَّاتَ مِنَ الْاِلٰہِ وَ الْعُزّٰی مِنَ الْعَزِیْزِ و عن الاعمش رحمۃ اللہ علیہ یُدْخِلُوْنَ فِیْھَا مَا لَیْسَ مِنْھَا**

ابن ابی حاتم نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایک قول نقل کیا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ''یُلْحِدُوْنَ'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ شرک کرتے ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ بھی ہے کہ الحاد یہ ہے کہ لفظ الجلالۃ (یعنی اللہ) کو اللات سے اور العزیز کو عزی سے مشتق کرتے تھے۔ الحاد کے متعلق اعمش رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ایسے ناموں کا اضافہ کرتے ہیں جو حقیقت میں اللہ کے نام نہیں۔

قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''یُلْحِدُوْنَ'' کا ترجمہ ''یُشْرِکُوْنَ'' کیا ہے یعنی وہ شرک کرتے ہیں۔

علی بن ابی طلحہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے الحاد کا ترجمہ تکذیب بھی نقل کیا ہے۔ کلام عرب میں الحاد اپنے مقصد سے انحراف، کجی اور ظلم پر بولا جاتا ہے۔ چنانچہ قبر میں لحد کو بھی اسی لئے لحد کہتے ہیں کہ وہ ایک جانب ہوتی ہے اور اس کا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ کیونکہ لحد اس گڑھے کو نہیں کہتے جو میت کے لئے کھودا جاتا ہے۔

الحاد کے متعلق علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''الحاد کی حقیقت میں شرک کی طرف میلان، اور صفات کی تعطیل اور انکار بھی داخل ہے''۔ اللہ کریم کے نام اور اُس کی تمام صفات ایسی ہیں جن سے انسان اللہ کی معرفت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ ایسے نام ہیں جو اس کی جلالت، عظمت اور کبریائی پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ: ''الحاد کی کئی صورتیں ممکن ہیں جیسے: ا۔ اس کے اسماء و

صفات سے بالکل انکار کر دیا جائے۔ یا ۲۔ان کے معانی ومفہوم کو ترک کر دیا جائے اور ان کی تعطیل کو مانا جائے یا ۳۔ ان کے اصل مقصد میں تحریف کر کے کوئی دوسرا مفہوم پیش کر دیا جائے۔ یا ۴۔صحت وصواب کو چھوڑ کر تاویلات کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ یا یہی نام مخلوق کے رکھ دیئے جائیں جیسے اہل اتحاد ملحدین نے کیا تھا یعنی انہوں نے یہی نام کائنات کی اشیائے مذموم ومحمود پر رکھ دیئے۔حتی کہ ان کے نمائندہ نے کہہ دیا کہ ''بعینہٖ یہی چیزیں ممدوح ومذموم عقلاً وشرعاً وعرفاً مسمی ہیں''۔اللہ تعالیٰ اِنکی اِن باتوں سے اعلیٰ وارفع ہے۔

صاحب فتح المجید علامہ الشیخ عبدالرحمٰن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''متقدمین اور متأخرین تمام اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کریم کی وہ صفات جو اس نے خود اپنے لئے بیان کی ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں وہ جیسے بھی اللہ کریم کی عظمت وجلالت کے لائق ہیں ان کو بلا تمثیل تشبیہ وتعطیل تسلیم کیا جائے جیسا کہ قرآن کریم میں کہا گیا ہے: (ترجمہ) ''کائنات کی کوئی چیز (نہ ذات میں اور نہ صفات میں) اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔(الشوریٰ:۱۱)۔

کیونکہ صفات میں گفتگو ذات کی گفتگو کی فرع ہے۔لہٰذا دونوں میں سے کسی پر کلام کرنا دونوں پر کلام کرنے کے برابر سمجھا جائے گا۔پس اللہ تعالیٰ کی ذاتِ حقیقی کا علم مخلوق سے کسی قسم کی تشبیہ وتمثیل دیئے بغیر ماننا ضروری ہے۔اسی طرح اس کی حقیقی صفات کو مخلوق سے بلا تمثیل وتشبیہ جاننا ضروری ہے۔لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات کے لئے بیان کردہ صفات، یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی گئی صفات کا انکار کرے، یا ان کی غلط تاویل کرے وہ فرقہ جہمیہ سے ہوگا، کیونکہ انہوں نے مومنین کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے کو اپنا لیا ہے۔ ایسے ہی افراد کے بارے میں اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے درآں حال یہ کہ اس پر راہِ راست واضح ہو چکی ہو تو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فائدہ جلیلہ کے عنوان کے تحت رقمطراز ہیں کہ: جو صفت یا خبر اللہ کریم کی ذات کے لئے بیان ہو، اس کی چند اقسام ہیں:

۱۔ جو براہِ راست اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہیں، جیسے موجود، اور ذات وغیرہ۔

۲۔ جو اللہ تعالیٰ کی صفت قرار پاتی ہیں جیسے علیم، قدیر، سمیع، اور بصیر وغیرہ۔

۳۔ جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے متعلق ہیں، جیسے خالق، رازق وغیرہ۔

۴۔ جو تنزیہ محض ہو وہ اس طرح کہ اسکے اندر کمال کا اثبات ہو نہ یہ کہ صرف نقائص کا انکار ہو جیسے القدوس السلام

۵۔ پانچویں صفت وہ ہے جس کا اکثر لوگوں نے ذکر نہیں کیا۔ یہ وہ اسم ہے جو بیشمار اوصاف پر دلالت کرتا ہے کسی خاص اور معین صفت کی وضاحت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے مختلف معانی نکالے جا سکتے ہیں جیسے مجید، عظیم، صمد۔

مجید ایسی ذات کو کہا جاتا ہے جس میں بہت سی کامل صفتیں پائی جائیں۔ یہ لفظ وُسعت اور کثرت کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ: (ترجمہ) ''عرش مجید والا''۔ مجید: اللہ تعالیٰ کے عرض کی صفت ہے چونکہ اس میں وُسعت، عظمت، اور شرف ہے لہٰذا اسی بنا پر اس کو عرش مجید کہا گیا ہے۔ غور فرمائیے کہ درودِ شریف میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جب ہم اللہ کی بارگاہ سے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر صلوۃ وسلام کا سوال کریں تو اس وقت یہی مجید کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ کیونکہ صلوۃ وسلام میں کثرت، وسعت اور دوام مطلوب ومقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں یہی لفظ موزوں اور مناسب تھا۔ جیسا کہ دعا میں کہا جاتا ہے: ''مجھے بخش اور معاف فرما کیونکہ تو ہی بخشنے والا اور رحیم ہے''۔ اس دُعائیہ جملہ میں اللہ کریم کے اسماء وصفات کے ذریعہ سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات سے وسیلہ حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسندیدہ ہے۔ ترمذی میں ایک حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''یا ذوالجلال والاکرام کے الفاظ کے ساتھ اصرار سے مانگو''۔ ایک دوسری حدیث میں دعائیہ جملے یوں ارشاد فرمائے گئے ہیں: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس وسیلہ سے کہ تیرے ہی لئے تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو احسان کرنے والا ہے، زمینوں اور آسمانوں کا بنانے والا ہے۔ اے جلال اور بزرگی کے مالک''۔

اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے اس کی حمدوں کے وسیلہ سے سوال کیا گیا ہے۔ اور جملہ ''لا الٰہ الا انت المنان'' میں اسماء اور صفات دونوں کو وسیلہ بنایا گیا ہے۔ قبولیت دعا کا یہ سنہری موقع ہے یہی وہ باب ہے جس کو توحید کے سلسلے میں اہم مقام حاصل ہے۔

۶۔ چھٹی صفت وہ ہے جو دو ناموں یا دو وصفوں کے جمع ہونے سے پیدا ہوتی ہے کہ ان دونوں ناموں یا وصفوں کو الگ الگ کر کے پڑھا جائے تو یہ تیسری صفت پیدا نہ ہوگی۔ جیسے الغنی الحمید، الغفور القدیر، الحمید المجید وغیرہ

اسی پر دوسرے ناموں اور صفتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو قرآن کریم میں بار بار استعمال ہوئی ہیں۔ الغنی، اور الحمید الگ الگ کامل صفتیں ہیں۔ جب ان دونوں کو جمع کریں گے تو تیسری صفت پیدا ہوگی۔ جس نے اللہ

کو غنی سمجھا اور اس کی حمد بیان کی وہ بھی ثناء کے قابل ہے۔ یہ ثنا دونوں کے اجتماع سے پیدا ہوتی ہے۔ اسپر الغفور القدیر، الحمد المجید وغیرہ کو قیاس کیا جا سکتا ہے۔ معرفت کا یہ بہت اونچا اور بلند مقام ہے۔

# فیہ مسائل

☆ اللہ کریم کے اسماء کو ثابت کرنا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے تمام ناموں کا پاکیزہ ہونا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ دعا مانگنے کا حکم۔ ☆ وہ ملحدین جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں معارضہ کرتے ہیں، اُن سے قطع تعلق کرنا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں کس قسم کا الحاد ہوتا ہے؟ اس کی وضاحت۔ ☆ جو شخص الحاد جیسے قبیح فعل کا مرتکب ہو، اس کے بارے میں وعید اور ڈانٹ۔

# باب

## لا یقالُ السلام علی اللہ

## اس باب میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ ''اللہ پر سلام ہو'' کے الفاظ زبان سے نکالنا درست نہیں ہے۔ یہ الفاظ ذاتِ الٰہی کو زیبا نہیں۔

**و فی الصحیح عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال اِذَا کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الصَّلٰوۃِ قُلْنَا اَلسَّلَامُ عَلَی اللہِ مِنْ عِبَادِہِ اَلسَّلَامُ عَلٰی فُلَانٍ وَّ فُلَانٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تَقُوْلُوْا اَلسَّلَامُ عَلَی اللہِ فَاِنَّ اللہَ ھُوَ السَّلَامُ**

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا کہ: ہم جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز (میں تشہد) پڑھتے تو کہتے کہ ''اللہ پر اُس کے بندوں کا سلام ہو اور فلاں فلاں شخص پر بھی سلام ہو''۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''السلام علی اللہ'' نہ کہا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلام ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ جب فرض نماز ختم کرتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور یہ دعا بھی پڑھتے: ''اے اللہ تو ہی سلام ہے اور سلامتی تیری ہی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ اے عظمت اور بزرگی والے تو ہی بابرکت ذاتِ کبریا ہے''۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ اہل جنت کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی سلام ہوگا۔ قرآن کریم میں اس کی

بھی تصریح موجود ہے کہ ربِّ کریم اہل جنت کو سلامتی کا پیغام دے گا۔ قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں: ''سَلَامٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ'' رب رحیم کی طرف سے اُن کو سلامتی کا پیغام ہے۔ (یٰسین:۵۹)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص اور تمثیل سے پاک اور بے نیاز ہے وہ ایسا ربِّ کریم ہے جس میں کمال کی تمام صفات موجود ہیں اور ہر عیب اور نقص سے منزہ ومبرہ ہے۔

## فیہ مسائل

☆ لفظ السلام کی تفسیر۔ ☆ یہی لفظ اہل جنت کا سلام ہونا۔ ☆ یہ لفظ ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے درست نہیں۔ ☆ اس لفظ کے نہ کہنے کی وجہ۔ ☆ اُس تحیہ کی تعلیم جو اللہ تعالیٰ کے لئے زیبا ہے۔

## باب

### اللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ

**اس باب میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ انسان کو دعا کرتے وقت پورے عزم اور وثوق سے اپنی حاجات رب ذوالجلال کے سامنے پیش کرنی چاہئیں، شک اور تذبذب کی کیفیت ہرگز اپنے اُوپر طاری نہ ہونے دے۔**

**فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ اِنْ شِئْتَ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ اِنْ شِئْتَ لِیَعْزِمِ الْمَسْاَلَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا مُکْرِہَ لَہٗ وَ لِمُسْلِمٍ وَ لْیُعْزِمِ الرَّغْبَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَتَعَاظَمُہٗ شَیْءٌ اَعْطَاہُ**

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی شخص کو یہ نہ کہنا چاہیئے کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو میری مغفرت فرما۔ اے اللہ! اگر تو چاہتا ہے تو مجھ پر رحم فرما۔ بلکہ چاہیئے کہ اپنے سوال کو پورے عزم اور پختگی سے پیش کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں: ''اپنے رب تعالیٰ سے بڑے وثوق سے سوال کرے کیونکہ اُس کے سامنے کوئی چیز بڑی نہیں ہے''۔

انسان کا معاملہ اللہ تعالیٰ سے کہیں مختلف ہے، کیونکہ بعض اوقات کوئی شخص سائل کا سوال اس لئے پورا کر دیتا ہے کہ اس کی اپنی ضرورت پوری ہونے کی توقع ہوتی ہے۔ یا سائل سے ڈر کر اس کا سوال پورا کرتا ہے حالانکہ اس کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود دوسرے کی حاجت پوری کر دیتا ہے۔ مخلوق الٰہی سے سوال کرنے والے کو چاہیئے کہ وہ اپنی ضرورت کو مسئول کے ارادے اور اس کی خواہش پر چھوڑ دے اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ شائد وہ مجبور ہو کر میرا سوال پورا کرے۔ ہاں خالق کائنات اور رب العالمین سے سوال کرتے وقت ایسا انداز اختیار نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق نہیں ہے اور تمام مخلوق سے مستغنی اور بے نیاز ہے اُس کی سخاوت اور اُس کا کرم کامل ترین ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج ہے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے لمحہ برابر بھی بے نیاز اور مستغنی نہیں ہوسکتا، وہ جب دینے آتا ہے تو صرف کلام ہی کرتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے: ''رب کریم کے ہاتھ خزانوں سے پُر ہیں۔ وہ دن بھی خرچ کرتا رہے تو ان میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ اللہ کے لئے غور تو کرو کہ اُس نے زمین و آسمان کی تخلیق سے لے کر آج تک کس قدر انعام و اکرام کئے ہیں؟ جو اس کے ہاتھوں میں ہے اس میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی۔ اللہ کریم کے دوسرے ہاتھ میں انصاف ہے، اس کے ذریعہ سے کسی کو بلند کرتا ہے اور کسی کو گراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کسی پر انعام و اکرام کی بارش کرتا ہے تو اپنی حکمت سے، اور اگر کسی کو محروم رکھتا ہے تو اس میں بھی اُس کی حکمت کے راز پوشیدہ ہیں۔ وہ حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ پس سائل کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مانگتے وقت پورے وثوق اور عزم سے مانگے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مجبور ہو کر نہیں دیتا اور نہ سوال کی بنا پر دیتا ہے۔

## فیہ مسائل

☆ دعا میں ''اگر تو چاہے'' نہ کہنا چاہیئے۔ ☆ اس کے سبب کا بیان۔ ☆ سوال پورے وثوق سے کرنا چاہیئے ☆ رغبت زیادہ ہونی چاہیئے۔ ☆ کثرتِ رغبت کے اسباب۔

## باب

لَا یَقُوْلُ عَبْدِیْ وَ اُمَتِیْ

اس باب میں اس مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام کو ''میرا

## بندہ، میری لونڈی'' نہ کہے۔

**فی الصحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ اَطْعِمْ رَبَّکَ وَ ضِّئْ رَبَّکَ وَ لْیَقُلْ سَیِّدِیْ وَ مَوْلَایَ وَ لَا یَقُلْ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَ اَمَتِیْ وَ لْیَقُلْ فَتَایَ وَ فَتَاتِیْ وَ غُلَامِیْ**

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تم میں سے کوئی یوں نہ کہے کہ ''اپنے رب کو کھانا کھلا۔ اپنے رب کو وضو کروا'' البتہ یوں کہیں کہ میرا سردار، میرا آقا۔ اور کوئی شخص اپنے غلام کو بندہ اور میری لونڈی نہ کہے بلکہ یہ کہے کہ میرا غلام، میرا خادم، میری خادمہ۔

زیرِنظر حدیث میں جن الفاظ کے استعمال سے روکا گیا ہے اگرچہ وہ لغوی اعتبار سے مستعمل ہوتے ہیں پھر بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید میں پختگی پیدا کرنے اور شرک کے سدباب کے لئے ان کو استعمال کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ ان کے استعمال سے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے ساتھ لفظاً مشابہت پائی جاتی ہے اس سے روکنے کی وجہ محض یہ ہے کہ رب کریم ہی اپنے تمام بندوں کا رب ہے اور یہ لفظ جب کسی دوسرے کے لئے بولا جائے گا تو اس میں اسی مشارکت اور مشابہت پائی جائے گی اس معمولی مشابہت کو بھی ختم کرنے کے لئے ان الفاظ کو استعمال کرنے سے روک دیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ الفاظ استعمال کرتے وقت متکلم کا مقصد شرک فی الربوبیت نہیں ہوتا جو خالص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ متکلم کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ فلاں شخص کی ملکیت ہے اسی مقصد کو سامنے رکھ کر یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

پس خالق اور مخلوق کے درمیان شرکت کے معمولی سے شائبہ کو بھی ختم کرنے کے لئے اور توحید کی کامل حفاظت اور شرک کے موذی مرض سے دُور رہنے کے لئے اگرچہ لفظاً ہی کیوں نہ ہو، ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے شریعت اسلامیہ کا مدعائے احسن یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اُس کی بزرگی کا اظہار ہوتا ہے اور مخلوق سے مشابہت کا پہلو دُور ہو جاتا ہے۔ چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کے قائم مقام الفاظ بھی فرما دیئے ہیں جیسے سیدی و مولای وغیرہ۔ اسی طرح ''عَبْدِیْ'' اور ''اَمَتِیْ'' وغیرہ کے الفاظ سے بھی روک دیا ہے کیونکہ تمام مرد و عورتیں اللہ کے غلام ہیں۔ اللہ کریم ارشاد فرماتا ہے: (ترجمہ) ''زمین اور آسمان کے اندر جو بھی ہیں سب اُس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں''۔ (مریم: ۹۳)۔

ان دونوں جملوں کو غیر اللہ کے لئے استعمال کرنے سے شرکت لفظی پائی جاتی ہے لہٰذا اللہ کریم کی عظمت و جلالت، اس کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور شرک سے بعد واجتناب کی خاطر اور توحید میں پختگی کے پیش نظر ان الفاظ کو استعمال کرنے سے منع فرمادیا گیا ہے۔ اور فرمایا کہ: ان الفاظ کی بجائے: فَتَایَ فَتَاتِیْ اور غُلَامِیْ جیسے الفاظ استعمال کرلیا کرو۔ یہ سب کچھ اس لئے بیان کیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے توحید کے اہم مضمون کو انتہائی مضبوط اور مستحکم دلائل سے واضح فرمایا ہے۔ پس رحمت عالم ﷺ نے ہر وہ بات صاف الفاظ میں بیان فرمائی جس میں اُمت کی خیر خواہی اور بھلائی مضمر تھی اور ہر اُس عمل سے منع فرمایا جس سے ایک مسلمان کے دین میں نقص پڑ جانے کا خطرہ ہے۔ پس ہر بھلائی کی طرف راہنمائی فرمائی خصوصاً توحید کی طرف نیز ہر شر سے آگاہ فرمایا خصوصاً اس سے جو لفظی طور سے شرک کے قریب لے جائے۔ اگرچہ اس کا دِلی مقصد شرک کرنا نہ بھی ہو۔

## فیہ مسائل

☆ سب سے اہم بات جو اس باب میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ توحید میں پختگی اور نکھار انتہائی لازمی ہے اگرچہ اس کا تعلق صرف الفاظ سے ہی ہو۔

## باب

**لا یرد من سال باللہ**

### اس باب میں یہ بتایا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوال کرتا ہے۔ اس کو خالی ہاتھ واپس نہ لوٹایا جائے

**عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ مَنْ سَاَلَ بِاللهِ فَاَعْطُوْهُ وَ مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللهِ فَاَعِيْذُوْهُ وَ مَنْ دَعَاكُمْ فَاَجِيْبُوْهُ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا مَا تُكَافِئُوْنَهٗ فَادْعُوْا لَهٗ حَتّٰى تُرَوْا اَنَّكُمْ قَدْ كَافَاْتُمُوْهُ**

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام لے کر مانگے اُسے دو۔

اور جو اللہ تعالیٰ کے نام سے پناہ طلب کرے اُسے پناہ دو۔ اور جو شخص دعوت دے اُسے قبول کرو اور جو تمہارے ساتھ نیکی کرے اس کا بدلہ دو۔ اگر بدلہ نہ دے سکو تو اس کے لئے اس قدر دعا کرو کہ تمہیں یقین ہو جائے کہ اس کا بدلہ چکا دیا گیا ہے۔ (رواہ ابوداؤد، والنسائی بسند صحیح)۔

زیرِ نظر حدیث کے ظاہری الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جب کوئی سائل اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر سوال کرے تو اس کو خالی ہاتھ واپس کرنا منع ہے۔ یہ سوال کتاب وسنت کی روشنی کا محتاج ہے جیسا کہ کوئی سائل سوال کرے کہ میرا بیت المال میں حق ہے اور میں ضرورتمند ہوں لہٰذا میری ضرورت کو پورا کیا جائے۔ پس اس کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی اعانت کرنا واجب ہے یا کوئی سائل کسی شخص کے زائد مال میں سے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کہے تو صاحب مال کو سائل کی ضرورت کے مطابق اس کی حاجت روائی کرنا احسن ہے۔ البتہ وہ مسئول جس کے پاس زائد مال نہیں ہے تو سائل کی ضرورت کو اس انداز سے پورا کرے کہ نہ تو وہ خود تکلیف میں پڑے اور نہ اس کے اہل وعیال کو کوئی تکلیف محسوس ہو۔ اور اگر سائل کسی اضطراری حالت میں گرفتار ہے تو اس کی اس تکلیف کو رفع کرنا واجب ہے۔ اپنے مال کو خرچ کرنا شریعت اسلامی کے اعلیٰ اور ارفع مقامات میں سے ایک بلندترین مقام ہے۔ اس سلسلے میں جود وسخا کے لحاظ سے لوگوں کے مختلف درجات ہیں۔ جود وسخا کے مقابلے میں بخل اور کنجوسی کا درجہ ہے۔ جود وسخا کتاب وسنت کی روشنی میں لائق تحسن اور عمل محمود ہے اور بخل و کنجوسی کو اسلام انتہائی بری نظر سے دیکھتا ہے اور اس کی واشگاف الفاظ میں مذمت کرتا ہے۔

اللہ کریم اپنے بندوں کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مال کو خرچ کریں، کیونکہ اس کا نفع بہت ہی زیادہ ہے اور اس کے اجر وثواب میں اس سے بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ کریم اپنے بندوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اے ایمان لانے والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمہارے لئے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اُس کی راہ میں دینے کے لئے بری سے بری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو۔ حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اُسے لینا گوارا نہ کرو گے الا یہ کہ اس کو قبول کرنے میں تم اغماض برت جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور بہترین صفات سے متصف ہے۔ شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور شرمناک طرزِ عمل اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے مگر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی اُمید دلاتا ہے، اللہ تعالیٰ بڑا فراخ دست اور دانا ہے''۔ (بقرہ: ۲۶۷

تا ۲۶۸)۔ایک دوسرے مقام پر یوں ترغیب دی: (ترجمہ) ''اور خرچ کرو ان چیزوں میں سے جن پر اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے''۔اور یہ انفاق فی سبیل اللہ نیک خصال میں سے ہے جن کا آیت ذیل میں ذکر ہے۔اللہ کریم فرماتا ہے: (ترجمہ) ''نیکی یہ نہیں کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لئے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دِل سے مانے اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنا دِل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے''۔(البقرۃ:۱۷۷)۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اصولِ ایمان اور نماز کے درمیان انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اس عمل کا اجر وثواب اور اس کا نفع کئی گنا بڑھتا رہتا ہے یہ وہ اعمال ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے: (ترجمہ) ''بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست باز ہیں، صابر ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں، صدقہ دینے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہیں اللہ نے ان کے لئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے (الاحزاب:۳۵)۔

رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حتی کہ اپنی مستورات کو بھی صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے کیونکہ اس میں اُمت کی خیر خواہی پنہاں ہے اور ان کے دینی اور دنیوی دونوں فائدے موجود ہیں۔ انصارِ مدینہ کی اسی خوبی اور عادتِ حسنہ پر الہ کریم نے ان کی تعریف فرمائی ہے؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے: (ترجمہ) ''اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لئے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں''۔(الحشر:۹)۔

مومن شخص کی عمدہ تر اور بہترین عادات میں سے ایثار افضل ترین اور اعلیٰ عادت ہے جیسا کہ آیت مذکورہ سے واضح ہے۔ایثار ہی کے متعلق اللہ کریم اپنے بندوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے (ترجمہ) ''اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ''۔(الدہر:۸تا۹)۔

فضیلت صدقہ سے متعلق بیشمار آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی ﷺ موجود ہیں جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے دربار میں کامیاب ہو تو اسے اس عمل صالح میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیئے۔

# فیہ مسائل

☆ جو شخص اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پناہ طلب کرے اس کو پناہ دینا۔ ☆ جو شخص اللہ کریم کا نام لے کر سوال کرے اس کی ضرورت کو پورا کرنا۔ ☆ اپنے مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا۔ ☆ کسی کے احسان اور بھلائی کا بدلہ دینا۔ ☆ جو شخص احسان کا بدلہ نہ دے سکے، اس کے لئے دعا کرنا بھی احسان کا نعم البدل بن جائے گا۔ ☆ یعنی اتنی کثرت سے دعا کرو کہ خود تمہیں یقین ہو جائے کہ احسان کا بدلہ اتر چکا ہے۔

# باب

لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ اِلَّا الْجَنَّةُ

## اس باب میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ کا واسطہ دے کر جنت کے سوا اور کوئی سوال نہ کیا جائے۔

**عن جابر** رضی اللہ عنہ **قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ** صلی اللہ علیہ وسلم **لَا يُسْأَلُ بِوَجْهِ اللهِ اِلَّا الْجَنَّةُ** (رواہ ابوداؤد)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے صرف جنت ہی مانگنی چاہیئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کے لئے طائف تشریف لے گئے اور اہل طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بجائے قبول کرنے کے ٹھکرا دیا اور انتہائی بدسلوکی سے پیش آئے۔ طائف سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے ایسی دعائیں کیں جن سے جنت کا ذکر نہیں ہے جیسے: ''اے اللہ! میں اپنی طاقت کی کمزوری، تدبیر کی درماندگی اور لوگوں کے سامنے اپنی ناتوانی کا شکوہ تیری ہی بارگاہِ قدس میں پیش کرتا ہوں۔ تو ہی کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا رب ہے۔ تو مجھے کس کے سپرد کرے گا؟ کسی دُوری کی طرف جو مجھ کو مایوس کر دے یا کسی دشمن کی طرف تو میرا معاملہ سپرد کرے گا؟ اگر مجھ پر تیری ناراضی نہ ہو تو مجھے کسی قسم کی کوئی پروا نہیں ہے ہاں مجھ پر تیری عافیت کا سایہ میرے لئے بہت زیادہ وسیع ہے''۔ اس دعا کے آخری الفاظ

یہ ہیں: ''میں تیرے اُس چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے سب اندھیرے روشن ہو جائیں اور دنیا اور آخرت کے کام سنور جائیں، میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غضب نازل ہو یا تیری ناراضی مجھ پر اُترے تیری ہی چوکھٹ ہے تو مجھ سے راضی ہو جا اور اللہ کی توفیق کے سوا گناہ سے بچنا ہے اور نہ نیکی کی طاقت ہے''۔

سوال: رسول اللہ ﷺ کے اذکار میں مندرجہ ذیل دعا بھی موجود ہے: ''اے اللہ تو سب سے زیادہ ذکر کئے جانے اور سب سے زیادہ عبادت کئے جانے کا مستحق ہے''۔ اس دعا کے آخری الفاظ یہ ہیں: ''میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ لیتا ہوں جس سے سب آسمان اور زمین روشن ہیں''۔ یہ دُعا ان الفاظ پر ختم ہوتی ہے: ''میں اللہ کریم کے چہرے اور اللہ عظیم کے نام اور اس کے پورے کلمات کی پناہ لیتا ہوں موت اور ڈسنے والی چیزوں کی برائی سے اور اے رب ہر اس چیز کی برائی سے جو تو نے پیدا کی اور اس دن کی برائی سے اور اس کے بعد کی برائی سے اور دنیا اور آخرت کی برائی سے۔ احادیث مرفوعہ میں صحیح اور حسن اسناد سے ان ادعیہ کے علاوہ بھی دعائیں مذکور ہیں جن میں جنت کی طلب کا ذکر نہیں ہے ان کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟

جواب: ان ادعیہ ماثورہ میں اگرچہ بظاہر جنت کا سوال نہیں لیکن ایسے اعمال وافعال کا ذکر موجود ہے جو جنت کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنتے ہیں اور ایسے اعمال سے اجتناب کا سوال بھی موجودہ ے جو دخولِ جنت کے لئے رکاوٹ ثابت ہوں۔ پس اِن ادعیہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرے اور اُس کے نور کے واسطہ سے اُن ہیہ اعمال کے انجام دینے کی توفیق مانگی گئی ہے جو جنت کے قرب کا ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں یہ دعا مذکور ہے: ''اے اللہ میں تجھ سے جنت کا سوال کرتا ہوں اور اُن اقوال واعمال کا جو مجھے جنت کے قریب کر دیں اور میں تیری پناہ لیتا ہوں آگ سے اور اُن اقوال واعمال سے جو آگ کے قریب کریں''۔

یہ دُعائیں ان لوگوں کی دعاؤں سے بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہیں جو صرف دنیا کا مال ومتاع رزق میں وسعت اور دنیاوی زیب وزینت کی دعائیں کرتے ہیں۔ بلا شبہ دنیا کا مال ومتاع اگر نجات اُخروی کے لئے استعمال کیا جائے تو بہت ہی مستحسن عمل ہے، جس کا ان ادعیہ میں ذکر آ گیا ہے۔ پس اس میں شک نہیں کہ اللہ کریم کے نام سے صرف دنیاوی حوائج طلب کرنے کے بارے میں یہ حدیث ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ زیرِنظر حدیث اور ان مذکورہ ادعیہ میں کوئی تعارض، تناقض اور اختلاف نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

زیر بحث حدیث اُن احادیثِ متواترہ میں سے ایک ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات پایا جاتا ہے یہ صفت کمال ہے اور اس کا انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی ناقص چیز سے اللہ کریم کو تشبیہ دی جائے جیسا کہ

بعض فرق باطلہ نے اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا انکار کیا یا بعض صفات سے منکر ہو گئے۔ لہٰذا جس گناہ سے وہ بچنا چاہتے تھے اُس سے بڑے اور سنگین جرم میں مبتلا ہو گئے۔

اہل سنت کا سلفاً وخلفاً یہ دستور رہا ہے کہ وہ صفات جن کا ذکر رب کریم نے خود اپنی کتاب میں کیا ہے یا رسولِ کریم ﷺ نے جو صفات رب کریم کی بیان فرمائی ہیں اُن پر مکمل ایمان لایا جائے اور ان صفات کو تمثیل اور تشبیہ سے بالکل پاک اور صاف رکھا جائے۔ اہل سنت اُن تمام صفات کو تسلیم کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے یا رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں۔ اور مخلوق کی مشابہت سے مبرہ سمجھتے ہیں جیسے اللہ کریم کی ذات کو بلا تمثیل وتشبیہ مانتے ہیں اسی طرح اس کی صفات کو بھی بلا تمثیل وتشبیہ تسلیم کرتے ہیں۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا یوں سمجھئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے کمال کا انکار کیا۔

## فیہ مسائل

☆ اللہ کریم کے نام سے انتہائی اہم اور بڑے بڑے سوال ہی کرنے چاہئیں۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے لئے ''چہرے'' کا ثبوت۔

## باب

**ما جاء فی اللو**

**اس باب میں انسان کو مصائب ومشکلات کے وقت صبر وبردباری اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور جو لوگ صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے آپ کو تقدیر کی گرفت سے آزاد رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے۔**

**قولہ تعالیٰ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا (آل عمران:۱۵۴)۔**
یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے۔

مصائب ومشکلات کے وقت جزع فزع کرنا شریعت اسلامیہ میں منع ہے اور اس پر سخت ترین وعید سنائی گئی ہے۔لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ تقدیر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا فریضہ انجام دے اس کی صورت صرف یہ ہے کہ انسان مصائب ومشکلات کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور سخت ترین حالات میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کرے۔ کیونکہ ایمان کے چھ اُصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ انسان تقدیر الٰہی پر کامل ایمان ہو۔

جنگ اُحد میں خوف اور بزدلی اور ڈر سے منافقن نے یہ جملہ کہا تھا۔سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جنگ اُحد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھا اور دُشمن کا حملہ زبردست تھا کہ اچانک ہم پر نیند کی سی کیفیت طاری ہوگئی اور ہم میں سے ہر مجاہد کی ٹھوڑی غلبہء نیند کی بنا پر سینے سے لگ گئی۔سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ حلفیہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں نے معتب بن قشیر منافق کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''اگر ہمارے بس کی بات ہوتی ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے''۔اس سے سن کر یہ الفاظ میں نے اچھی طرح یاد کر لئے۔ چنانچہ اسی پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ ''وہ کہتے ہیں کہ اگر ہمارے بس کی بات ہوتی تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے''۔اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتا ہے: کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور نکل آتے۔مطلب یہ ہے کہ تقدیر الٰہی تھی جس سے کسی کو مفر نہیں اور یہ ایسا فیصلہ کن امر تھا جس کا بہر کیف پورا ہونا ضروری تھا۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا (آل عمران:۱۶۸)۔

ان کے جو بھائی بند جنگ لڑنے گئے اور مارے گئے ان کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔

منافقین نے کہا کہ اگر یہ لوگ جنگ نہ کرنے کے بارے میں ہمارا مشورہ قبول کر لیتے اور اپنے گھروں سے نہ نکلتے تو یہ صورتِ حال پیدا نہ ہوتی۔اس کے جواب میں اللہ کریم نے فرمایا: (ترجمہ) ''ان سے کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے اُسے ٹال کر دکھا دینا''۔یعنی گھر بیٹھنے رہنے سے موت سے نجات مل سکتی ہے تو تمہیں بالکل نہیں مرنا چاہیئے اور یاد رکھو کہ موت بہر حال آنی ہے اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں جا کر پناہ لے لو۔اگر تمہارے قول میں سچائی کی ذرا سی مقدار بھی باقی ہے تو موت سے بچ کر تو دکھلاؤ؟۔

مجاہد رحمہ اللہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''زیر نظر آیت کریمہ مشہور منافق

عبداللہ بن ابی اور اُس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی''۔یعنی یہ الفاظ عبداللہ بن ابی نے کہے تھے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جنگ اُحد کا نقشہ یوں بیان فرمایا کہ:''جنگ اُحد کے میدان میں ہم دشمن کے مقابلہ پر صف آراء تھے کہ ہم پر غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی یہاں تک کہ میری تلوار ہاتھ سے بار بار گرتی اور میں اُسے بار بار پکڑتا اور منافقین کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے بچاؤ کی تدابیر میں مصروف تھے ساری فوج میں زیادہ بزدل ڈرنے والے اور حق وانصاف کو پامال کرنے میں پیش پیش یہی لوگ تھے۔(اللہ کریم کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا تھے یہ خالص جاہلیت کی عادت ہے)منافقین کا یہ گروہ اللہ تعالیٰ کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہوکر رہ گیا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:''غزوہ اُحد کے موقع پر مشہور منافق عبداللہ بن اُبی مسلمانوں سے علیحدہ ہوکر اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ:''دیکھئے نہ تو اپنی بات پر عمل کیا اور نہ میری بات کو تسلیم کیا، بلکہ بچوں کی رائے کو اوّلیت دی''۔اس منافق کی یاوہ گوئی سن کر بہت سے سادہ دِل مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے جو اس سے قبل منافق نہ تھے بلکہ وہ مسلمان تھے اور ان کے دلوں میں ایمان تھا ایمان ایک ایسا نور ہے جس کی مثال قران کریم میں متعدد بار بیان کی گئی ہے۔اگر یہ لوگ اس امتحان اور نفاق سے قبل فوت ہو جاتے تو ان کی موت اسلام پر متصور ہوتی البتہ ان کا ایمان اس مرتبہ کا نہ ہوتا جن کا امتحان ہوا اور وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے، اور نہ یہ ان منافقین کی طرح ہوتے جو آزمائش کے وقت مرتد ہو گئے تھے۔آجکل اکثر مسلمانوں کا تقریباً یہی حال ہے کہ بوقت آزمائش اُن کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں جس سے ایمان میں کمزوری اور نقص پیدا ہو جاتا ہے اور ان میں کی اکثریت اپنے اُوپر نفاق کی چادر اوڑھ لیتی ہے اور بعض تو دشمن کا غلبہ اور طاقت سے مرغوب ہوکر ارتداد کا برسرعام اعلان کر دیتے ہیں یہ بات ہمارے اور دوسرے لوگوں کے ذاتی تجربہ میں بھی آچکی ہے کہ اگر میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو اور کسی بڑی تکلیف کا سامنا نہ ہو تو پھر ایسے کمزور مسلمان ہی رہتے ہیں۔ظاہر اور باطن میں انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ایسا ایمان آزمائش کے وقت ثابت نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ فرائض کے تارک اور محارم کے دلدادہ ہوتے ہیں۔اور یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان سے کہا گیا کہ''تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے اور تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا''۔(الحجرات) اس آیت میں اس ایمان کا ذکر ہے جو سچے مومنین کا امتیازی نشان ہے۔کتاب وسنت میں جب بھی ایمان کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے یہی ایمان مراد ہوتا ہے

ایسے سچے مومنین آزمائش اور امتحان کے وقت شکوک وشبہات کا شکار نہیں ہوتے، اس لئے کہ یہ چیز تو ایمان کو کمزور کر دیتی ہے''۔

شارح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اس قسم کے کمزور ایمان والے لوگوں کا مشاہدہ ہم نے بھی کیا ہے کہ دشمن کی قوت وطاقت اور ان کا غلبہ دیکھ کر ان لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف اُن کی مدد کی اور دین اسلام کے متعلق طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ مسلمانوں سے عداوت اور دشمنی کا علی الاعلان اظہار کیا اور پھر انہوں نے اسلام کے نور کو بجھانے کی ہر ممکن کوشش کی ان کا سب سے بڑا نشانہ یہ ہوتا ہے کہ اہل اسلام میں سے اہم افراد کو ختم کیا جائے''۔ واللہ المستعان۔

**وفی الصحیح عن ابی هریرة اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ اِحْرِصْ عَلٰی مَا یَنْفَعُکَ وَ اسْتَعِنْ بِاللهِ وَ لَا تَعْجَزَنَّ وَ اِنْ اَصَابَکَ شَیْئٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ کَذَا وَ کَذَا لَکَانَ کَذَا وَ کَذَا وَ لٰکِنْ قُلْ قَدَّرَ اللهُ وَ مَا شَآءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطٰنِ**

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: نفع بخش چیز کی حرص کر اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ اور عاجز نہ بن اور کسی وقت اگر مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو یہ نہ کہا کرو ''اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہوتا'' بلکہ یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا اور جو اُس نے چاہا وہی ہوا کیونکہ ''اگر'' شیطانی عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

# فیہ مسائل

کسی ناگہانی مصیبت پر یہ کہنا سخت جرم اور گناہ ہے کہ ''اگر میں یوں کرتا تو یہ مصیبت نہ آتی''۔ ☆ لفظ ''اگر'' استعمال نہ کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ اس سے شیطانی اعمال کا دروازہ کھلتا ہے۔ ☆ اچھی گفتگو کی ترغیب۔ ☆ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے ایسے اعمال کا شوق دلایا گیا ہے جو نفع بخش ہیں۔ ☆ جو اس کے اُلٹ ہے، اُس یعنی عجز سے روکنا۔

# باب

**النهی عن سب لریح**

## اس باب میں ہوا اور آندھی کو گالی دینے سے سختی سے روکا گیا ہے۔

**عن ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ لَا تَسُبُّوا الرِّیْحَ فَاِذَا رَاَیْتُمْ مَّا تَکْرَھُوْنَ فَقُوْلُوْا اللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْاَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَ خَیْرِ مَا فِیْھَا وَ خَیْرِ مَآ اُمِرَتْ بِہٖ وَ نَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَ شَرِّ مَا فِیْھَا وَ شَرِّ مَآ اُمِرَتْ بِہٖ**

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہوا کو گالی نہ دو۔ اگر تمہیں کوئی ناپسند چیز دکھائی دے تو یہ دعا پڑھا کرو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا سے اور جو اس میں اُس کی بہتری چاہتے ہیں اور اُس چیز کی بھی بھلائی چاہتے ہیں جس کا اسے حکم دیا گیا ہے اور ہم پناہ مانگتے ہیں اِس ہوا کے شر سے اور جو اِس میں ہے اور اُس چیز کے شر سے بھی پناہ مانگتے ہیں جس کا اِسے حکم دیا گیا ہے۔ (صحیح الترمذی)۔

ہوا کو گالی دینے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک ہے اور اُس کے حکم کے مطابق چلتی ہے لہٰذا ہوا کو گالی دینا، اس کے پیدا کرنے والے کو گالی دینے کے مترادف ہے جیسا کہ سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ زمانہ کو گالی دینا ایسا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کو گالی دے دی۔ اس قسم کی غلط حرکت وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اُس کے دین سے بالکل کورے ہیں چنانچہ رحمت عالم ﷺ نے اہل ایمان کو حکم دیا کہ وہ جاہل اور ظالم لوگوں کی طرح ہوا کو گالی نہ دیں نہ اُس کو بُرا کہیں۔

مندرجہ بالا دعائیہ جملوں میں اللہ کریم کی عبودیت کا اظہار اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کا اقرار اور اللہ کریم کے لئے شر سے دفاع طلب کیا گیا ہے۔ اور اللہ کریم سے فضل جزیل اور انعاماتِ جلیلہ کی طلب موجود ہے۔ اہل توحید اور اہل ایمان کا یہی خاصہ اور علامت ہے البتہ فاسق و فاجر اور گناہ میں ڈوبے ہوئے افراد جنہوں نے توحید کا مزہ ہی نہیں چکھا جو اصل ایمان اور اس کی حقیقت ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجاء اور گڑگڑانے کے بجائے مزید نافرمانیوں میں ڈوب جاتے ہیں۔

## فیہ مسائل

☆ ہوا کو گالی دینے کی ممانعت۔ ☆ جب انسان ناپسندیدہ چیز کو دیکھے تو اُس وقت نفع مند دُعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ ☆ اس بات سے بھی انسان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ہوا اللہ تعالیٰ کے حُکم کی پابند ہے۔ ☆ اس راز سے بھی پردہ اُٹھایا گیا ہے کہ ہوا کو کبھی بھلائی اور خیر کا اور کبھی تباہی مچانے کا بھی حکم ملتا ہے۔

# باب

يَظُنُّوْنَ بِاللهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ

اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگے جو سراسر خلافِ حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟ ان سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اِس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ دراصل یہ لوگ اپنے دِلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اِسے آپ ﷺ پر ظاہر نہیں کرتے۔

یہ آیاتِ بینات اللہ تعالیٰ نے جنگ اُحد کے واقعہ کے ربط میں نازل فرمائیں، غزوۂ اُحد میں ایک خاص واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ نے غم ورنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی یعنی غنودگی کی کیفیت تم پر طاری کی''۔ (آل عمران:۱۵۴)۔ غنودگی کی یہ حالت ایمان والوں میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنے والوں، اللہ پر توکل اور بھروسہ رکھنے والوں، مصائب ومشکلات میں صبر کرنے والوں اور سچائی

کے خوگر افراد پر طاری ہو۔ یہ وہی حضرات تھے جنہیں یقین تھا کہ رب ذوالجلال اپنے رسول مقبول ﷺ کی ضرور مدد فرمائے گا اور تمام وعدوں اور توقعات کو پورا کرے گا اور دوسرے گروہ کے بارے میں فرمایا گیا: (ترجمہ) ''اور ایک فرقہ کو اپنی جانوں کا فکر تھا''۔

ان کو یہ نعمت عظمیٰ نصیب نہ ہوئی کیونکہ وہ جزع فزع، قلق واضطراب اور خوف وہراس کا شکار ہو کر اللہ تعالیٰ کے بارے میں اہل جاہلیت کے سے سوءِ ظن اور بدگمانی میں مبتلا ہو گئے ان کے اس سوءِ ظن کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگے''۔ دوسرے مقام پر فرمایا: (ترجمہ) ''بلکہ تم نے یہ خیال کیا کہ رسول اور مومن اب کبھی اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہ آئیں گے اور یہ چیز تمہارے دِلوں کو بڑی خوشنما معلوم ہوئی اور تم برے برے گمان کرنے لگے اور تم ہلاک ہونے والی قوم تھے''۔ (الفتح:۱۲)۔

منافقین کے اس بزدل گروہ نے جب دیکھا کہ وقتی طور پر مشرکین کو غلبہ حاصل ہو رہا ہے تو انہوں نے اس کو آخری فیصلہ سمجھا۔ ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی کہ اب اسلام اور اہل اسلام کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا۔ شکوک وشبہات میں گرفتار لوگوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اہل اسلام جب کسی مصیبت میں گھر جاتے ہیں تو ان سے اسی قسم کی لغو گفتگو، اور نامعقول باتیں سرزد ہوتی ہیں۔

## فیہ مسائل

☆ برے گمان کی بیشمار قسمیں ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ☆ ان برے گمانوں سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اپنے نفس کی معرفت سے بہرہ مند ہو۔

## باب

**ما جاء فی منکری القدر**

**اس باب میں بتایا گیا ہے کہ تقدیر کا انکار کرنا شریعت اسلامی سے انکار کے مترادف ہے منکرین تقدیر الٰہی کی حیثیت اسلام میں وہی ہے جو مجوسیوں کی ہے۔**

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قدریہ اُمت محمدیہ کے

مجوسی ہیں۔ اگر یہ بیمار ہو جائیں تو ان کی تیمارداری نہ کرو اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شرکت نہ کرو''۔ ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی ہے: ''ہر اُمت میں مجوسی گزرے ہیں۔ اُمت محمدیہ کے مجوسی وہ ہیں جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قضاء وقدر کچھ نہیں ہے۔ ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس کے جنازے میں مت جاؤ۔ اور کوئی بیمار ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی نہ کرو یہ لوگ دجال کے ساتھی ہیں اور اللہ تعالیٰ پر یہ واجب ہے کہ ان کو دجال سے ملا دے''۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ فرمایا کہ اُس ذاتِ واحد کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر کسی شخص کے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو اور وہ اُسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو اُس کی یہ خیرات اُس وقت تک قبول نہ ہوگی جب تک کہ وہ تقدیر پر ایمان نہ لے آئے۔

یہ کہہ کر فرمانے لگے کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک حدیث بیان کی جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کے کپڑے بہت ہی سفید تھے اور بال انتہائی سیاہ تھے، اُس پر سفر کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے اور ہم میں سے کوئی بھی اُسے نہیں پہچانتا تھا وہ آ کر رسول اللہ ﷺ کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملا کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے گھٹنوں پر رکھے اور عرض کناں ہوا کہ اے محمد ﷺ مجھے اسلام کے بارے میں کچھ بتایئے؟ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اسلام یہ ہے کہ تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو۔ رمضان المبارک کے روزے رکھو اور طاقت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو (یہ جواب سن کر) کہنے لگا آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ ہم سب سننے والے اُس پر متعجب تھے کہ خود ہی سوال کرتا ہے اور پھر خود ہی اس کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اُس نے پھر سوال کیا کہ ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اُس کی کتابوں پر، اُس کے رسولوں پر، آخرت پر اور تقدیر پر، خواہ اچھی ہو یا بری، ایمان لائے۔ اس نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ اُس نے پھر کہا احسان کے بارے میں مجھے بتایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا اُسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ تصور پیدا نہ ہو تو یہ سمجھو کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر سوال کیا کہ قیامت کے بارے میں بتایئے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس میں مسئول سائل سے زیادہ نہیں جانتا۔ اس نے سوال کیا کہ قیامت کے آثار اور نشانات بتا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (قیامت کی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ) لونڈی اپنی مالکہ کو جنے گی۔ اور یہ کہ تو دیکھے گا کہ بد

اور پاؤں سے ننگے اور نادار آدمی بکریوں کے چرواہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کریں گے۔ راوی کہتا ہے، یہ باتیں کر کے وہ شخص چلا گیا اور میں تین دن وہاں ٹھہرا۔ ایک روایت میں ہے کہ کچھ وقت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اے عمر: تمہیں معلوم ہے یہ سائل کون تھا؟ میں نے عرض کی، اللہ اور اُس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے تمہیں تمہارے دین کی باتیں سمجھانے کے لئے آئے تھے''۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تقدیر پر ایمان لانا ایمان کے مذکورہ چھ اصولوں میں سے ایک ہے۔ لہٰذا جس کا تقدیر پر خواہ وہ خیر ہو یا شر، ایمان نہیں ہے، یوں سمجھئے کہ اس نے دین کے ایک اصول کو چھوڑ دیا اور اس کا منکر ٹھہرا۔ ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہوگا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: (ترجمہ) ''کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان رکھتے ہو اور کچھ حصے کا انکار کرتے ہو''؟۔ (البقرۃ:۸۵)۔

مسند احمد میں عبادہ بن الولید بن عبادہ کہتے ہیں کہ ''میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے پاس اُن کی تیمارداری کے لئے گیا تو مجھے خدشہ ہوا کہ اب آپ فوت ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں عرض کی کہ ابا جان! مجھے وصیت فرمایئے اور خوب اچھی طرح سے وصیت فرمایئے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بٹھا دو (اور بیٹھ کر) فرمانے لگے کہ بیٹا دیکھو! تم اس وقت تک ایمان کا مزہ اور اللہ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم تقدیر الٰہی پر خواہ اچھی ہو یا بری ایمان نہ لاؤ۔ عبادہ نے سوال کیا: ابا جان! میں تقدیر کی اچھائی اور برائی کا کیسے پتا چلاؤں؟ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بولے اس طرح کہ تم کو یقین ہو کہ جو تکلیف تمہیں نہیں پہنچی وہ نہیں پہنچ سکتی تھی، اور جس تکلیف میں تم گرفتار ہو گئے وہ ٹل نہیں سکتی تھی۔ اے میرے بیٹے! میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا فرمایا اور اُسے کہا کہ لکھ تو قلم نے اُسی وقت لکھنا شروع کر دیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا تھا سب کچھ لکھ دیا۔ لہٰذا اے بیٹے! اگر اس پر ایمان کے بغیر تمہیں موت آ گئی تو جہنم میں جاؤ گے۔ (مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۳۱۷)

اس حدیث اور ایسی دوسری احادیث سے ثابت ہوا کہ جو کچھ ہو چکا اور قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے احاطہ علم میں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جس نے سات آسمان اور سات ہی زمینیں پیدا فرمائیں ان میں رب کریم کے احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ وہ اپنے علم کے ذریعہ سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے۔ (الطلاق:۱۲)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے تقدیر کے متعلق جب سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: ''تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا نام ہے''۔ امام ابن عقیل رحمۃ اللہ علیہ نے اس جواب کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کوئی چیز زیادہ طاقتور نہیں ہے منکرین تقدیر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا انکار کر کے گمراہ ہو گئے بعض علمائے سلف کا کہنا ہے کہ منکرین تقدیر سے علم اور دلائل سے مناظرہ کرو۔ اگر یہ لوگ مان جائیں تو مغلوب ہو جائیں گے اور اگر انکار پر اڑے رہے تو کافر قرار پائیں گے۔

# فیہ مسائل

☆ تقدیر پر ایمان لانے کی فرضیت۔ ☆ ایمان کی کیفیت کا بیان۔ ☆ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا اُس کے اعمال کا اکارت جانا۔ ☆ اس بات کی وضاحت کہ جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ ایمان کے مزے سے بالکل محروم ہے۔ ☆ اس چیز کا ذکر جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا (یعنی قلم)۔ ☆ قلم نے حکم الٰہی سنتے ہی اُس وقت سے لے کر جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اُسی وقت لکھ دیا۔ ☆ جس شخص کا تقدیر پر ایمان نہیں اُس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری اور لاتعلقی کا اظہار۔ ☆ سلف صالحین کی یہ عادتِ مبارکہ تھی کہ علمائے کرام سے دریافت فرما کر شبہات کا ازالہ کرتے۔ ☆ تقدیر کے متعلق جتنے شبہات پیدا ہو سکتے تھے، علمائے کرام نے اِن سب کا ایک ایک کر کے اس کا جواب دیا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے دلائل کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے۔

# باب

**ما جاء فی المصورین**

## اس باب میں اس مسئلہ شرعی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں کہ تصویر اُتارنے اور اُتروانے والے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ترین عذاب کے مستوجب قرار دیئے گئے ہیں۔

**عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ**

كَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّةً اَوْ لِیَخْلُقُوْا شَعِیْرَةً

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوسکتا ہے جو میرے جیسی بناوٹ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس ایسے لوگ ایک ذرہ، ایک دانہ یا ایک جو تو بنا کر دکھلائیں؟ (بخاری و مسلم)۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویر کی ممانعت اور حرمت کی وجہ خود بیان فرمائی کہ مصور تصویر کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسی بنانے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ تخلیق کائنات اور تدبیر امر سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ وقدرت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کا مالک، پالنے والا، خالق اور تمام مخلوق کو جدا جدا تصویریں بنانے والا ہے۔ وہی اجسامِ خاکی میں روح پھونکتا ہے جس سے ان میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ: (ترجمہ) ''(اللہ تعالیٰ وہ ذاتِ کبریا ہے) جس نے ہر چیز کو بہت عمدہ طریقے سے پیدا کیا اور انسان کی تخلیق مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل حقیر پانی سے پیدا کی۔ پھر اس کو درست اور ٹھیک کیا پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی پھر تمہارے فائدہ کے لئے کان، آنکھ اور دِل بنایا مگر تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو''۔ (السجدہ: ۷تا۹)۔

ولهما عن عائشة رضی اللہ عنہا اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ الَّذِیْنَ یُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللهِ

صحیحین میں اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب اُن لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے بنانے میں اُس کی مشابہت کرتے ہیں۔

و لهما عن ابن عباس رضی اللہ عنہ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ كُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ یُجْعَلُ لَهٗ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ یُعَذَّبُ بِهَا فِیْ جَهَنَّمَ و لهما عنه مرفوعا مَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً فِی الدُّنْیَا كُلِّفَ اَنْ یَّنْفُخَ فِیْهَا الرُّوْحَ وَ لَیْسَ بِنَافِخٍ

صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر تصویر بنانے والا جہنم میں جائے گا، اس کے لئے ہر تصویر کے عوض ایک ایک جان بنائی جائے گی جس کے ذریعے اُسے جہنم میں عذاب دیا جائے گا۔ صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کوئی تصویر بناتا ہے تو قیامت کے دن اُس سے کہا جائے گا کہ اس تصویر میں رُوح پھونکے لیکن وہ ان میں رُوح ہرگز نہ پھونک سکے گا۔

مصور جب کسی انسان یا کسی چوپائے وغیرہ کی تصویر بناتا یا فوٹو کھینچتا ہے تو اس کی انتہائی کوشش یہ ہوتی

ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو بنایا ہے، یہ اس کی مثل اور اس کے ہم شکل ہوں، اس میں ذرہ بھی فرق نہ ہو، یہی تصویر مصور کے لئے قیامت کے دن بہت بڑی شکل اور عذاب کا سبب بن جائے گی اور مصور کو اس کا مکلّف ٹھہرایا جائے گا کہ اس تصویر میں رُوح ڈالے لیکن وہ ایسا ہرگز نہ کر سکے گا۔ لہٰذا اس کو سخت ترین سزا دی جائے گی کیونکہ تصویر بنانا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ جاندار چیز کی تصویر بنانے کی جب یہ سزا ہے تو اُس شخص کی سزا کا کیا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو اس کے برابر قرار دے لے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کو مشابہ ٹھہرائے، تمام عبادات کو یا کسی ایک عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دے۔ اس کو اور دوسری تمام مخلوق کو تو اللہ کریم نے صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا تھا عبادت کا مستحق تو اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے ہر وہ عمل پسند کرتا ہے جس سے وہ راضی ہو۔ لہٰذا مخلوق کو خالق کا حق دینا، کسی لحاظ سے بھی قرین صحت اور درست نہیں اور مخلوق میں سے کوئی اس کا مستحق بھی نہیں۔ اور وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کئے ہیں ان میں کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانے اور اس کے ارتکاب سے اللہ کریم کی نافرمانی لازم آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی نافرمانیوں کو روکنے کے لئے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے، تاکہ شرک کی وضاحت بیان کریں اور مخلوق کو اس سے روکیں اور ہر قسم کی عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے سرانجام دیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی یہ سنت اور طریقہ رہا ہے کہ اس نے اپنے رسولوں، اور ان کے ماننے والوں کو نجات دی اور ان کے علاوہ جنہوں نے توحید کا انکار کیا اور شرک پر مصر رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دیتے رہے ان کی اس عظیم نافرمانی کی وجہ سے اس نے ان کو ہلاک اور برباد کر دیا۔ رب کریم شرک کی سنگینی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: (ترجمہ) ''بیشک اللہ تعالیٰ اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے۔ اس گناہ کے علاوہ جس کو جو چاہے معاف فرما دے گا۔ (النساء:۱۱۶)۔ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو گویا وہ ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے اور اُسے پرندے اُچک لے جائیں یا ہوا اس کو دُور دراز جگہ پر اڑا کر پھینک دے''۔ (الحج:۳۱)۔

صحیح مسلم میں ابوالھیاج اسدی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ مجھے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تجھے اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا؟ (پہلا یہ کہ) جو تصویر نظر آئے اُسے مٹا دو۔ دوسرا یہ کہ ہر وہ قبر جو بلند ہو اُسے زمین کے برابر کر دو۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جس بڑی مہم کو سر کرنے کے لئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوالہیّاج کو روانہ فرمایا اسی مہم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا تھا۔ تصاویر کو اس لئے مٹانے کا حکم دیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق سے مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے۔ قبور کو زمین کے برابر کرنے میں حکمت یہ تھی کہ اس سے عوام کے دلوں میں قبروں اور اہل قبور کی تعظیم اور فتنے میں گرفتار ہونے کا خدشہ تھا کیونکہ شرک میں ملوث ہوے کے لئے سب سے بڑا سبب قبور کی تعظیم ہی ہے۔ لہٰذا انسان کو ان تمام اُمور کی طرف عنانِ توجہ مرکوز کرنے سے روکنے کی کوشش کی گئی جو دین اسلام اُس کے مقاصد اور اس کے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں رکاوٹ کا باعث بن سکتے تھے۔ جن اُمور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا تھا ان میں جب سے تساہل اور سستی واقع ہوئی ہے، اس وقت سے عوام ان میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ یہ وہ اُمور ہیں جن سے بچنا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ قبریں اہل قبور کے لئے ایک آزمائش وابتلا بن کر رہ گئیں۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آہستہ آہستہ قبروں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی اور بڑی بڑی عبادتیں جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دینی چاہئیں تھیں وہ اہل قبور کے لئے انجام دی جانے لگیں جیسے: دُعا کرنا، مدد مانگنا، فریاد اور استغاثہ کرنا، جانوروں کو ذبح کرنا، نذر ونیاز دینا، اور ان کے علاوہ دوسری عبادات جن سے انسان مشرک ہوجاتا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل اور آج کل لوگوں نے جو قبور سے متعلق رویہ اختیار کر رکھا ہے ان دونوں کے درمیان موازنہ کرنے سے پتا چلتا ہے کہ ان میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور دونوں کے طریق کار ایک دوسرے سے جدا ہیں اور یہ دونوں طریق ہائے عمل کبھی جمع نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ☆ قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا ہے لیکن آجکل کا مسلمان قبروں کی طرف منہ کر کے بلکہ قبرستان میں جا کر نماز پڑھنے کا عادی ہو چکا ہے۔ ☆ قبرستان کو عبادت گاہ بنانے سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے لیکن آجکل قبرستان میں مسجدیں بنائی جا رہی ہیں اور ان کا نام مشاہد رکھا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے گھروں سے مشابہت ہوجائے۔ ☆ قبر پر چراغاں کرنے کو رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے روکا اور منع فرمایا تھا لیکن یار لوگوں نے بڑی بڑی جائیدادیں وقف کر رکھیں ہیں جن کی آمدنی سے قبروں پر چراغاں ہوتا ہے۔ ☆ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان پر میلے ٹھیلے لگانے سے منع فرمایا لیکن انہوں نے ایک خاص قسم کے میلے رچا رکھے ہیں جہاں بڑی دھوم دھام سے سالانہ اجتماعات منعقد ہوتے ہیں جیسے مسلمان عید یا حج کے لئے اجتماع کرتے ہیں بلکہ آجکل ان میلوں میں عیدین

سے بھی زیادہ چہل پہل نظر آتی ہے۔ ☆ رسول اکرم ﷺ نے قبر کو زمین کے برابر رکھنے کا حکم فرمایا جیسا کہ زیر مطالعہ حدیث میں مذکور ہے۔اس کی تائید صحیح مسلم کی ثمامہ بن شفی والی حدیث بھی کرتی ہے جس میں ابن شفی کہتے ہیں کہ ہم فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے ساتھ سرزمین روم میں سفر کر رہے تھے کہ رودس کے مقام پر ہمارا ایک ساتھی فوت ہو گیا۔ فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق اس کی قبر زمین کے برابر کر دی گئی پھر فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ قبر کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا کرتے تھے۔لیکن آجکل لوگ رسول اللہ ﷺ کی ان دونوں حدیث کی مخالفت میں پورا پورا زور لگا رہے ہیں اور قبر کو اتنا اونچا کر دیتے ہیں جیسے کسی کا گھر ہو اور قبروں پر بڑے بڑے مزار اور قبے بنا رہے ہیں۔ ☆ رسول اللہ ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے اور اس پر کسی قسم کی تعمیر کرنے سے منع فرمایا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''قبروں کو چونا گچ کرنے، ان پر بیٹھنے اور ان پر کسی قسم کی تعمیر کرنے سے رسول اللہ ﷺ نے روکا ہے''۔ نیز یہ کہ قبر پر لکھنے سے بھی روکا ہے جیسا کہ ابوداؤد میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو چونا گچ کرنے اور ان پر کسی قسم کی عبارت لکھنے سے منع فرمایا ہے''۔لیکن آجکل بڑی بڑی تختیوں پر قرآن کریم کی آیات لکھ کر قبروں پر لگاتے ہیں۔ ☆ رسولِ اکرم ﷺ کا فرمان تو یہ ہے کہ قبر پر صرف قبر والی مٹی ہی ڈالی جائے، اس کے علاوہ دوسری جگہ کی مٹی نہ ڈالی جائے۔جیسا کہ ابوداؤد میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ''رسول اکرم ﷺ نے قبر کو چونا گچ کرنے، اور اس پر کسی قسم کی عبارت لکھنے اور دوسری جگہ کی مٹی ڈالنے سے منع فرمایا ہے''۔ (ابوداؤد)۔لیکن آجکل لوگ بڑی بڑی اینٹیں اور پتھر رکھنے سے باز نہیں آتے بلکہ قبر کو چونا گچ کرنے سے بھی نہ رُکتے۔ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنی قبروں پر اینٹ وغیرہ رکھنے کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم کرنے والے قبروں پر میلے رچانے والے اور ان پر چراغاں کرنے والے ایسے افراد جو قبروں پر مسجدیں تعمیر کرواتے ہیں، اور بڑے بڑے قبے بنانے سے نہیں رکتے اصل میں یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی کھلم کھلا مخالفت کر رہے ہیں اور شریعت مطہرہ سے برسر جنگ ہیں اور سب سے بڑا ظلم یہ ہو رہا ہے کہ قبرستان میں مسجدیں بنا رہے ہیں اور پھر ان پر چراغاں بھی ہو رہا ہے حالانکہ یہ سب چیزیں کبائر میں سے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے شاگردوں اور دوسرے فقہاء نے ان اُمور کو حرام قرار دیا ہے۔ابو محمد المقدسی

رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''قبروں پر چراغاں کرنا اگر جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چراغاں کرنے والے پر لعنت نہ کرتے۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ مال بیکار ضائع ہوتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تیسرا نقصان یہ ہے کہ قبروں کی تعظیم اس طرح کی جاتی ہے جیسے مشرکین بتوں کی تعظیم کیا کرتے تھے۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پر چراغاں کرنے والے پر لعنت کی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ قبرستان میں مسجد بنانا جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''یہود و نصاریٰ کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے ملعون قرار دیا کہ وہ انبیاء کی قبروں کو عبادت گاہ اور مسجدیں بنا لیتے تھے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو خبردار کیا ہے''۔ (متفق علیہ)۔

قبرستان میں نماز پڑھنے کی ممانعت کو خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس سے بت پرستوں سے مشابہت پائی جاتی ہے جیسے بت پرست اپنے بتوں کو پوجتے ہیں اور ان سے تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے، ان سے مشابہت ہو جاتی ہے اس لئے ممانعت کر دی گئی۔

ہم یہ بات واضح کر آئے ہیں کہ بت پرستی کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب کہ لوگوں نے اپنے مردوں کی بے انتہا تعظیم کی اور ان کی صورتیں اور شکلیں بنا کر رکھ لیں اور پھر وقتاً فوقتاً ان کو چومتے چاٹتے رہے، اور ان کے پاس جا کر عبادت کرتے رہے۔

# فیہ مسائل

☆ تصویر بنانے والوں کے لئے سخت وعید۔ ☆ تصویر نہ بنانے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بڑی بے ادبی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو میری بناوٹ جیسی بنانا چاہتا ہے۔ ☆ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوق کی عاجزی کا اظہار اس طرح فرمایا کہ ایک ذرہ (ایک دانہ) یا کم از کم ایک ''جَو'' ہی بنا کر دکھلائیں۔ ☆ اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ تصویر بنانے والے کو دُوسرے لوگوں سے سخت عذاب ہوگا۔ ☆ دنیا میں مصور نے جتنی تصویریں بنائی ہوں گی، اتنی ہی جانیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بنائے گا جن کے ذریعہ مصور کو دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ ☆ مصور کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ ان تصاویر میں رُوح ڈالے۔ ☆ جہاں بھی تصویر ملے اُسے مٹا دینے کا حکم۔

# باب

ما جآ فی کَثْرَةِ الْحَلْفِ

## اس باب میں بکثرت قسمیں کھانے کی ممانعت، اور اس پر وعید اور تہدید کی گئی ہے

وَاحْفَظُوْا اَیْمَانَکُمْ

اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''بغیر کفارہ ادا کئے اپنی قسموں کو یوں ہی نہ چھوڑ دیا کرو''۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مفہوم نقل فرمایا ہے کہ: ''خواہ مخواہ قسمیں نہ کھائی جائیں''۔ بعض اہل علم نے یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ: ''اپنی قسمیں توڑا نہ کرو''۔ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ نے زیر نظر آیت کے وہی معنی مراد لئے ہیں جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کئے ہیں کیونکہ زیادہ قسمیں کھانا اور بار بار قسم توڑنا آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اس میں ایک برائی تو یہ ہے کہ قسم کو بالکل ہلکا سمجھا جاتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی برائیاں ہیں جو کمالِ توحید کے منافی ہیں۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ يَقُوْلُ الْحَلْفُ مَنْفَقَةٌ لِلسِّلْعَةِ مَمْحَقَةٌ لِلْكَسَبِ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قسم کھانے سے سامانِ تجارت فروخت تو ہو جاتا ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔ (بخاری ومسلم)۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی انسان اپنے مال کے بارے میں یوں قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے اس مال کو اتنی قیمت دے کر خریدا ہے اور مجھے اتنی قیمت مل رہی ہے تو خریدار اس کی قسم پر اعتبار کرتے ہوئے اور اس کو سچا سمجھتے ہوئے اصل قیمت سے زیادہ ادا کر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی قسم میں سچا نہیں ہوتا بلکہ جھوٹ بولتا ہے تاکہ اس کو زیادہ قیمت ملے۔ اس نے یہ جھوٹی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، س کو اس کی سزا یہ ملتی ہے کہ اس کے مال سے برکت ختم ہو جاتی ہے۔ برکت کا ختم ہو جانا اتنا بڑا نقصان ہے کہ اس نے جو جھوٹی قسم اٹھا کر معمولی سی قیمت زیادہ وصول کی تھی، وہ برکت ختم ہو جانے کی تلافی نہیں کر سکتی۔ بعض اوقات تو اس قدر سزا ملتی

ہے کہ راس المال ہی ضائع ہو جاتا ہے۔ رہا وہ اجر وثواب جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ملے گا تو وہ اطاعت الٰہی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ دنیا کی زیب وزینت گنہگار کے لئے اپنی پوری رعنائی اور خوشنمائی کے ساتھ جلوہ گر ہے لیکن اس کا انجام ہلاکت اور عذابِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں۔

**و عن سلمان رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اُشَيْمِطُ زَانٍ وَ عَآئِلٌ مُّسْتَكْبِرٌ وَ رَجُلٌ جَعَلَ اللهَ بِضَاعَتَهٗ لَا يَشْتَرِىْ اِلَّا بِيَمِيْنِهٖ وَ لَا يَبِيْعُ اِلَّا بِيَمِيْنِهٖ** (رواہ الطبرانی بسند صحیح)

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے انسانوں سے بات نہ کرے گا، نہ اُن کو پاک کرے گا اور اُن کو دردناک عذاب دیا جائے گا۔ ۱۔ بوڑھا زانی۔ ۲۔ تکبر کرنے والا فقیر۔ ۳۔ وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا مال سمجھا ہوا ہے۔ بایں صورت کہ مال کو خریدتے اور بیچتے وقت قسم ضرور اُٹھاتا ہے۔

**عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اَنَّ النَّبِىَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِىْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ يَجِىْءُ قَوْمٌ تَسْبِقُ شَهَادَةُ اَحَدِهِمْ يَمِيْنَهٗ وَ يَمِيْنُهٗ شَهَادَتَهٗ**

صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین دَور وہ ہے جس میں میں خود موجود ہوں، پھر وہ دَور جو میرے بعد آنے والا ہے، پھر وہ دَور جو اُس کے بعد آئے گا، اس کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی گواہی قسم سے اور قسم گواہی سے پہلے ہوگی۔

# فیہ مسائل

☆ اپنی قسم کی حفاظت کرنے کی وصیت کی گئی ہے۔ ☆ خواہ مخواہ اور جھوٹی قسم اٹھانے سے مال کی قیمت تو اچھی مل جاتی ہے لیکن برکت ختم ہو جاتی ہے۔ ☆ اُس شخص کو سخت ڈانٹ پلائی گئی ہے جو مال خریدتے اور بیچتے وقت خواہ مخواہ قسمیں اٹھاتا ہے۔ ☆ اس بات کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے کہ جس شخص میں گناہ میں ملوث ہونے کے امکانات انتہائی قلیل اور تھوڑے ہوں اور وہ پھر بھی گناہ کی طرف زیادہ میلان رکھے تو اُس کا یہ گناہ صغیرہ نہ ہوگا بلکہ کبیرہ گناہ شمار ہوگا۔ ☆ اُن لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جن سے قسم طلب نہیں کی جاتی لیکن وہ اس کے باوجود قسمیں اٹھاتے ہیں۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریب ترین تین یا چار اَدوار

کی تعریف فرمائی ہے اور جن نئی نئی بدعات کا ظہور ہونے والا تھا، اس کی پیشگوئی بھی فرمادی۔

# باب

**ما جاء فی ذمة الله و ذمة نبیه**

## اس باب میں وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ انسان اپنے عہد و پیمان توڑ دے تو یہ گناہ ہلکا ہے بنسبت اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان توڑنے کے۔

**وقوله تعالی وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ كَفِیْلًا اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ (النحل:۹۱)۔**

اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اُس سے کوئی عہد باندھا ہو اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو۔ اللہ تعالیٰ سب افعال سے باخبر ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے قول و قرار اور عہد و میثاق کو پورا کریں اور قسموں کی کاملاً حفاظت کریں۔ اسی لئے حکم فرمایا کہ دیکھو: (ترجمہ) ''قسم اٹھانے کے بعد اُسے توڑو نہیں''۔ اس آیت کریمہ اور میں مندرجہ ذیل آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ''۔ اور آیت (ترجمہ) ''یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ۔ جب کہ تم قسم اٹھاؤ۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو''۔ (المائدہ:۸۹)۔

اور پھر رسول اللہ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی اور ان آیات میں بھی کوئی تناقض نہیں ہے: ''اگر قسم اٹھانے کے بعد کوئی دوسرا پہلو بہتر دکھائی دے تو میں قسم کو توڑ کر بہتر پہلو اختیار کر لیتا ہوں، اور میں اپنی پہلی قسم کا کفارہ ادا کر دیتا ہوں''۔

ان آیات اور حدیث پاک میں فی الواقع کوئی تعارض یا تناقض نہیں ہے کیونکہ ان آیات میں وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی عہد و پیمان میں داخل ہیں۔ اور جن قسموں کو توڑنا جائز بلکہ بعض اوقات ضروری ہو جاتا ہے، ان سے وہ قسمیں مراد ہیں جو کسی کو ترغیب دینے یا کسی چیز کے نہ دینے کے بارے میں اٹھائی جائیں۔ اسی بنا پر اس

آیت میں جن قسموں کی ممانعت کی گئی ہے اُن کے متعلق مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کی قسمیں ہیں۔ مجاہد کے اس قول کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اسلام میں کوئی حلف نہیں، اور جاہلیت کی تمام قسموں کو اسلام نے مزید سخت کر دیا ہے''۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایسا صاف ستھرا اور نکھرا ہوا مذہب ہے جسے جاہلیت کی قسموں کی قطعاً ضرورت اور احتیاج نہیں ہے کیونکہ اسلام سے تمسک اور اس پر عمل کی دیواریں استوار کرنا، انسان کو زمانہ جاہلیت کی تمام چیزوں سے محفوظ کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ''تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس کو جانتا ہے'' ان لوگوں کے لئے سخت تہدید اور وعید پنہاں ہے جو قسم کھانے کے بعد، اُسے توڑ دیتے ہیں

سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو ایک بڑی فوج یا چھوٹے لشکر پر امیر مقرر کرتے تو اُسے اللہ سے تقوی اور اپنے ماتحت لشکر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی بطورِ خاص وصیت فرماتے۔ پھر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُسی کا نام لے کر غزوہ کرو اور ہر شخص سے جنگ کرو جو اللہ تعالیٰ سے کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ غزوہ کرو (اور یاد رکھو) کہ نہ خیانت کرنا، نہ عہد و پیمان توڑنا، نہ کسی کو مثلہ کرنا اور نہ بچوں کو قتل کرنا۔ اور جب مشرک دشمن سے آمنا سامنا ہو تو اُس کے سامنے تین شرطیں پیش کرنا۔ اگر ان میں سے ایک بھی قبول کر لے تو اُسے منظور کر لینا۔ پھر جنگ سے رُک جانا۔ اسلام کی طرف دعوت دینا، اگر اُسے قبول کر لیں تو اس کو منظور کر لینا اور پھر انہیں دار الکفر سے دارُ السلام یعنی مہاجرین کے مقام (مدینہ طیبہ) کی طرف ہجرت کرنے کی دعوت دینا اور یہ بتانا کہ اگر یہ لوگ ہجرت کریں گے تو ان کو وہ سب حقوق حاصل ہوں گے جو مہاجرین کو حاصل ہیں اور جو بار مہاجرین کو برداشت کرنا پڑتا ہے اُنہیں بھی برداشت کرنا ہوگا۔ اگر ہجرت سے انکار کریں تو پھر یہ لوگ اُن بدوی مسلمانوں کی طرح ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کا حکم جاری ہوتا ہے اور ان کو مالِ غنیمت اور مالِ فئ میں سے حصہ نہیں ملے گا بجز اُس کے کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔ اگر وہ اسلام لانے سے انکار کریں تو پھر اُن سے جزیہ طلب کرنا۔ اگر جزیہ دینے پر راضی ہو جائیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے رُک جانا۔ اور اگر وہ جزیہ دینے سے بھی انکار کریں تو پھر اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ کر ان سے جنگ کرنا۔ اور اگر تم کبھی کسی قلعہ بند دُشمن کا محاصرہ کر لو اور دُشمن یہ چاہے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ لے لو تو ایسا ہرگز نہ کرنا بلکہ اپنا اور اپنے ساتھیوں کا ذمہ لے لینا کیونکہ اگر تم اپنا یا اپنے ساتھیوں کا ذمہ توڑ دو گے تو اس کا گناہ بہر حال اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ توڑنے سے ہلکا

ہوگا اور جب تم کسی قلعہ بند دُشمن کا محاصرہ کرلو اور وہ یہ چاہے کہ تم ان کو اللہ کے حکم پر اتار لو تو ایسا ہرگز نہ کرنا، اس لئے کہ تمہیں کیا معلوم کہ تو اُن میں اللہ کا حکم پا سکتا ہے یا نہیں؟ (رواہ مسلم)۔

# فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے ذمہ اور عام مسلمانوں کے ذمہ میں فرق۔ ☆ دو خطرناک کاموں میں سے جو زیادہ ہلکا ہو اُسے اختیار کرنے کی طرف رہنمائی۔ ☆ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ ''بسم اللہ'' کہہ کر اور صرف رضائے الٰہی کو مدنظر رکھ کر جہاد میں حصہ لو۔ ☆ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جو اللہ سے کفر کرتا ہے اُس سے جنگ کرو۔ ☆ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو اور کفار سے جنگ کرو۔ ☆ اللہ تعالیٰ اور علماء کے حُکم میں فرق۔

# باب

مَا جَآءَ فِی الْاِقْسَامِ عَلَی اللهِ

## اس باب میں اس بات کی سخت مذمت کی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی کے بارے میں اس طرح اللہ کی قسم کھائے کہ وہ فلاں شخص کو معاف نہیں کرے گا۔

عن جندب بن عبدالله رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ الله ﷺ قَالَ رَجُلٌ وَ اللهِ لَا یَغْفِرُ اللهُ لِفُلَانٍ فَقَالَ اللهُ تَعَالٰی مَنْ ذَا الَّذِیْ یَتَاَلّٰی عَلَیَّ اَنْ لَّا اَغْفِرَ لِفُلَانٍ اِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ وَ اَحْبَطْتُ عَمَلَکَ

سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ ایک شخص نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ فلاں شخص کی مغفرت نہیں کرے گا''۔ اللہ عزوجل نے فرمایا کہ یہ کون ہوتا ہے جو میرے متعلق قسم کھائے کہ میں فلاں شخص کی مغفرت نہیں کروں گا؟ میں نے اُس کی مغفرت کر دی اور تیرے (قسم کھانے والے کے) اعمال ضائع کر دیئے۔ (رواہ مسلم)۔

شرح السنۃ میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت مروی ہے جو صحیح ہے اور جس کی سند سیدنا عکرمہ بن

عمار رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ سیدنا عکرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ''میں ایک دفعہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوا تو مجھے ایک شخص نے آواز دی ''اے یمامی! اِدھر آؤ'' لیکن میں اس کو نہیں پہچانتا تھا۔ اُس نے کہا دیکھو! کسی سے یہ الفاظ نہ کہو کہ ''اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ تجھے کبھی نہ بخشے گا اور تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا''۔ میں نے عرض کی: اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ کون ہیں؟ اُس نے جواب دیا میرا نام ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) ہے۔ عکرمہ بن عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یہ جملہ تو عام بولا جاتا ہے جب کوئی شخص اپنے خاندان میں سے کسی پر یا اپنی بیوی پر، یا خادم پر ناراض ہوتا ہے تو یہ الفاظ منہ سے نکل جاتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''بنی اسرائیل میں سے دو شخص آپس میں دوست تھے۔ اُن میں سے ایک بہت عبادت گزار تھا اور دوسرے کے متعلق آپ کا ارشاد تھا کہ وہ گنہگار تھا۔ عابد اُسے ہمیشہ یہ کہتا کہ یہ عادتِ معصیت ترک کر دو۔ وہ جواب دیتا کہ تم میرا معاملہ اللہ کے سپرد کر دو۔ ایک دن ایسا ہوا کہ اُسے کسی ایسے گناہ میں مبتلا دیکھا جس کو وہ گناہ کبیرہ سمجھتا تھا کہنے لگا: تم باز آ جاؤ۔ گنہگار نے جواب دیا تو مجھے اللہ کے حوالے کر دے۔ کیا تجھے میرا نگران مقرر کیا گیا ہے؟ عابد نے کہا: اللہ کی قسم نہ تو اللہ تمہاری مغفرت کرے گا اور نہ تجھے کبھی جنت میں داخل کرے گا۔ اب اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف فرشتے کو بھیجا اور اُس نے ان کی روحیں قبض کر لیں، دونوں اللہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ گنہگار سے کہا: تم میری رحمت سے جنت میں داخل ہو جاؤ اور عبادت گزار سے فرمایا کیا تم میری رحمت کو میرے بندوں سے روک سکتے ہو؟ اس نے کہا نہیں اے میرے رب!!! اللہ نے فرشتوں سے کہا اِسے دوزخ کی طرف لے جاؤ''۔ یہ واقع بیان کرنے کے بعد سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اس شخص نے ایسی بات زبان سے نکالی جس نے اُس کی دنیا اور آخرت کو تباہ کر ڈالا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت کے یہ الفاظ حدیث کے اِن الفاظ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اَحَدُهُمَا مُجْتَهِدٌ فِي الْعِبَادَةِ یعنی ان میں سے ایک بہت عبادت گزار تھا۔ ان احادیث میں لغزش زبان کا بیان ہے اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انسان کو گفتگو میں بھی احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ جیسا کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ''کیا ہم اپنی گفتگو کی وجہ سے بھی پکڑے جائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ! تیری ماں تجھے گم پائے!! تجھے معلوم نہیں کہ لوگوں کو دوزخ میں منہ کے بل یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نتھنوں کے بل، ان کی زبانوں کی کترن (یعنی گفتگو) ہی گرائے

گی۔

# فیہ مسائل

☆ اللہ تعالیٰ پر قسم کھانے سے ڈرنا۔ ☆ عذابِ دوزخ ہمارے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے۔ ☆ جنت کا بھی یہی حال ہے۔ ☆ انسان بعض اوقات ایسا جملہ کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ☆ بعض اوقات ایسے معاملے میں بھی بخشش ہو جاتی ہے جو انسان کے نزدیک بہت برا ہوتا ہے۔

# باب

## لَا یُستَشفعُ بِاللهِ عَلٰی خَلقِهٖ

## اس باب میں اِس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کے سامنے سفارشی کی حیثیت نہیں دینی چاہیئے خواہ وہ شخص اپنے طور پر کتنی بھی اہمیت کا مالک ہو۔

**عن جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللهِ نُهِکَتِ الْاَنْفُسُ وَ جَاعَ الْعِیَالُ وَ هَلَکَتِ الْاَمْوَالُ فَاسْتَسْقِ لَنَا رَبَّکَ فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِاللهِ عَلَیْکَ وَ بِکَ عَلَی اللهِ فَقَالَ النَّبِیُّ سُبْحَانَ اللهِ سُبْحَانَ اللهِ فَمَا زَالَ یُسَبِّحُ حَتّٰی عُرِفَ ذَالِکَ فِیْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ وَیْحَکَ اَتَدْرِیْ مَا اللهُ اِنَّ شَاْنَ اللهِ اَعْظَمُ مِنْ ذَالِکَ اِنَّهٗ لَا یُسْتَشْفَعُ بِاللهِ عَلٰی اَحَدٍ** (ابوداؤد)۔

سیدنا جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک دیہاتی عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جانیں تلف ہو گئیں، بچے بھوکے مر گئے اور مال برباد ہو

گیا۔آپ ﷺ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دُعا کیجئے ہم اللہ تعالیٰ کو آپ کے پاس اور آپ ﷺ کو اللہ کے ہاں سفارشی بناتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی کی بات سن کر بار بار سبحان اللہ پڑھا، یہاں تک کہ اس کا اثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے چہروں پر بھی نمودار ہوا پھر فرمایا ''تجھ پر افسوس! تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان کتنی بلند ہے؟ اُس کی شان اتنی بلند ہے کہ اُسے کسی کے حضور سفارشی نہیں لے جایا جاتا''۔

حدیث میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے دیہاتی کو فرمایا: ''تجھ پر افسوس! اللہ تعالیٰ کو اس کی کسی مخلوق کے پاس سفارشی نہیں بنایا جا سکتا۔اللہ تعالیٰ کی شان اسے سے کہیں بلند ہے۔تجھ پر افسوس ہو کیا جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی شان کیا ہے؟ اُس کا عرش آسمانوں کے اُوپر قبے کی طرح ہے۔وہ عرش اس طرح چڑ چڑاتا ہے جیسے کُجاوا (زین) سوار کے بوجھ کی وجہ سے آواز کرتا ہے''۔

علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مایہ ناز تصنیف ''مفتاح دارالسعادۃ'' میں رقمطراز ہیں کہ ''جب انسان اپنی اندرونی بصیرت سے اپنے آپ کی، اور اپنے رب کی معرفت تامہ حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کے سامنے بابِ آسمان کھل جاتے ہیں اور اِنسان آسمان کے چپے چپے، اس کے ملکوت اور فرشتوں پر نگاہ ڈالتا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے تمام دروازے کھلتے جاتے ہیں۔حتیٰ کہ قلب انسانی ربّ ذوالجلال کے عرش تک جا پہنچتا ہے۔عرش کی وُسعت، اُس کی عظمت، اُس کا جلال، اُس کی بلندی اور بزرگی دل کی آنکھوں کے سامنے ہوتی ہے۔اُس وقت اُس کے مقابل ساتوں زمینیں اور ساتوں آسمان ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے کسی چٹیل اور وسیع وعریض میدان میں چھوٹا سا گول حلقہ پڑا ہو۔اور اللہ ذوالجلال کے عرش کے اردگرد ملائکہ کی فوجیں سجدہ ریز ہوتی ہیں۔فرشتوں کے تسبیح وتحمید اور تکبیر وتقدیس کہنے کی وجہ سے ایک شور بپا ہوتا ہے۔یہ وہ مقام ہے جہاں سے تمام عالم کی تدابیر جاری ہوتی ہیں، اور تمام جہان کے لشکر کے لئے جن کی تعداد اللہ ہی بہتر جانتا ہے، احکام صادر ہوتے ہیں، قوموں کی موت وحیات اور عزت وذلت کے فیصلے یہیں کئے جاتے ہیں۔ایک کو بادشاہ بنانے اور دوسرے سے مملکت چھین لینے کا حکم یہیں سے صادر ہوتا ہے۔نعمتوں کے اَدل بدل کا مرکز یہی ہے۔انسانی ضروریات مختلف اندازوں سے پورا کرنے کا فیصلہ یہیں سے ہوتا ہے۔نقصانات کی تلافی کرنا اور محتاج کو تونگر اور غنی بنانا سب اسی مقام پر کیا جاتا ہے۔مریضوں کو شفا دینا، کسی کی تکالیف کو دور کرنا، کسی گنہگار کو معاف کرنا، کسی کی مشکل کو حل کرنا، مظلوم کی فریاد رسی اور امداد کرنا، بھولے ہوئے کو راہ دکھانا، جاہل کو عالم بنانا، بھاگے ہوئے کو واپس لانا، خوفزدہ کو امان دینا، پناہ کے طالب کو محفوظ جگہ عطا کرنا، کمزور کی مدد کرنا، عاجز اور درماندہ کی

اعانت کرنا، پریشان حال کی پریشانی رفع کرنا، ظالم سے بدلہ لینا، اور سرکش کی زیادتیوں کو روکنے کے فیصلے یہیں سے صادر ہوتے ہیں۔ یہ سب فیصلے عدل وانصاف اور حکمت کے عین مطابق جاری اور تمام عالم میں نافذ ہوتے ہیں۔ ربِّ ذوالجلال کی ذات ایسی بے مثل ذات ہے کہ بیک وقت مختلف زبانوں سے نکلی ہوئی مختلف دعائیں اور عرض داشتیں اسے کسی کا کلام سننے میں حائل نہیں ہوسکتیں۔ اور بلحاظ اختلافِ لغات اور کثرت مسائل وحاجات، اور طرفہ یہ کہ بیک وقت پکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں خلط ملط نہیں ہوتیں۔ رب کریم اصرار سے مانگنے والوں سے اُکتاتا نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ سب کی حاجات وضروریات کو پورا کردے تو اُس کے خزانہ میں ذرہ بھر کمی پیدا ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اس کی سب سے نمایاں صفت یہ کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ہے۔

انسان یہاں پہنچ کر ربِّ ذوالجلال کی وحشت وہیبت کی وجہ سے اُس کے سامنے سر جھکا دیتا ہے، اس کی بے پناہ عزت وعظمت کے پیش نظر انتہائی خشوع وخضوع سے اُس کے حضور کھڑا ہو جاتا اور اللہ ذوالجلال والاکرام کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ یہ ایسا سجدہ ہوتا ہے جو قیامت تک کے لئے انسان کو سر اُٹھانے کا نام نہیں لینے دیتا۔ یہ تھا دل کا سفر جبکہ انسان اپنے وطن، گھر بار اور اہل وعیال میں ہوتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے نشانات اور اس کی کاریگری کے بے مثل عجائب ہیں۔ پس مبارک ہو اس سفر کو، کتنا بابرکت ہے یہ سفر، اس کے نتائج وثمرات بہت ہی زیادہ ہیں۔ اس کے فوائد اور اس کا انجام عدیم النظیر ہے۔ یہ ایسا بابرکت سفر ہے جس سے رُوح کو نئی زندگی ملتی ہے اور جو سعادت وخوش بختی کی کلید ہے، عقلمندوں کا مال غنیمت ہے۔

رہا مسئلہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے اُن کی زندگی میں سفارش کرائی جائے تو رسول اللہ ﷺ کو شفیع بنانے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے دُعا کرائی جائے۔

باقی رہا مسئلہ فوت شدہ شخص کا تو شریعت مطہرہ نے اس کے جنازہ اور اس کی قبر پر اس کے لئے دُعا کرنے کی ترغیب دی ہے۔ میت کے لئے بس اتنا ہی حکم ہے کہ اس کے لئے دُعا کی جائے البتہ میت سے دُعا کی التجا کرنے کی شریعت اسلامیہ نے اجازت نہیں دی بلکہ اس کی ممانعت کر دی گئی ہے اور کتاب وسنت میں ایسے شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے جو مُردے سے دُعا کی التجا کرتا ہے۔ قرآن کریم اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے: (ترجمہ) ''اللہ کو چھوڑ کر جن دوسروں کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں۔ اُنہیں پکارو تو وہ تمہاری دعائیں سن نہیں سکتے اور سن لیں تو اُن کا تمہیں کوئی جواب نہیں دے

سکتے اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کر دیں گے''۔(فاطر:۱۴تا۱۵)۔ اسی طرح فرمایا:''جب تمام انسان جمع کئے جائیں گے اُس وقت وُہ اپنے پکارنے والوں کے دُشمن اور اُن کی عبادت کے منکر ہوں گے''۔ (الاحقاف:٦)۔ پس ہر میت اور غائب شخص نہ تو سن سکتا ہے اور نہ دُعا قبول کرنے کی اُسے قدرت وطاقت ہے۔اور نہ وہ کسی کو نفع دے سکتا ہے اور نہ کسی کو تکلیف میں مبتلا کرستا ہے۔تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے اور خصوصاً خلفائے راشدین میں سے کسی سے بھی منقول نہیں ہے کہ اُنہوں نے کسی وقت بھی اپنی حاجات اور مشکلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر جا کر اُن کی خدمت میں پیش کی ہوں،خصوصاً قحط سالی کے وقت۔

جیسا کہ دَورِ خلافت فاروق ہی میں قحط سالی ہوئی۔فاروق اعظم رضی اللہ عنہ لوگوں کو لے کر میدان میں مدینہ سے باہر نکلے تا کہ نمازِ استسقٰی پڑھی جائے۔اس وقت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نماز استسقٰی پڑھائیں اور دُعا کریں کیونکہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ زندہ موجود تھے۔ثابت ہوا کہ اگر کسی شخص کے مرنے کے بعد اس سے بارش وغیرہ کے لئے دُعا کرانا جائز ہوتا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو نہ کہتے بلکہ سیدھے قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود بھی آتے اور لوگوں کو بھی لاتے۔لیکن ایسا ہرگز نہیں کیا گیا۔نہ خلفائے راشدین میں سے کسی نے کیا اور نہ کسی دُسرے صحابی نے کیا۔

اس واقعہ سے زندہ اور فوت شدہ کے درمیان جو امتیازی فرق ہے وہ واضح ہو جاتا ہے کیونکہ زندہ شخص سے سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ موجود ہو تو دعا کرے۔

# فیہ مسائل

☆ جس شخص نے یہ کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سفارشی بناتے ہیں اِس پر ناراض ہونا اور اس کی اس بات کو خلافِ شریعت قرار دینا۔ ☆ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا اس طرح متغیر ہو جانا کہ صحابہ کرام کے چہروں پر بھی اس کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ناپسند نہیں فرمایا کہ''ہم اللہ تعالیٰ کے حضور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارشی بناتے ہیں''۔ ☆ سبحان اللہ کے معنی ومفہوم کی وضاحت۔ ☆ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بارش کی دُعا کروایا کرتے تھے۔

# باب

مَا جَآءَ فی حمایة النبی حمد التوحید و سده طرق الشرک

## اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے توحید کے پہلو کو کیونکر ثابت کیا اور کس طرح اُس راہ کو بند کر دیا ہے جو شرک کی طرف لے جاتی ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن اقوال و اعمال کی جو عقیدۂ توحید میں نقص و اضمحلال کا باعث بنتے ہیں، کس طرح بیخ کنی کی اور شجرِ توحید کی آبیاری کے لئے کیا کیا کوششیں فرمائیں۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے بیشمار ارشادات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں ''میری تعریف میں غلو سے کام نہ لینا جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کیا تھا، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو''۔ گزشتہ صفحات میں رسول اللہ ﷺ کا مندرجہ ذیل ارشادِ گرامی ذکر کیا جا چکا ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: ''مجھ سے استغاثہ نہ کیا جائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی سے استغاثہ کیا جائے''۔

ایک دوسرے کے منہ پر تعریف کرنے سے بھی سختی سے روکا ہے چنانچہ ایک شخص نے کسی کی اس کے سامنے تعریف کی تو آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: ''تجھ پر افسوس ہے تو نے اپنی بھائی کی گردن کاٹ ڈالی''۔ ابوداؤد میں عبدالرحمٰن بن ابی بکر عن ابیہ یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک شخص نے دُوسرے کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے تعریف کرنے والے کو تین بار فرمایا کہ ''تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: تعریف میں مبالغہ کرنے والوں سے ملو تو اُن کے منہ مٹی سے بھر دو''۔ (مسلم، ترمذی، ابن ماجہ)۔

**عن عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ قَالَ اِنْطَلَقْتُ فِیْ وَفْدِ بَنِیْ عَامِرٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ ﷺ فَقُلْنَا اَنْتَ سَیِّدُنَا فَقَالَ السَّیِّدُ اللہ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی قُلْنَا وَ اَفْضَلُنَا جَا فَضْلًا وَّ اَعْظَمُنَا طَوْلاً فَقَالَ قُوْلُوْا بِقَوْلِکُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِکُمْ وَ لَا یَسْتَجْرِیَنَّکُمُ الشَّیْطٰنُ**

سیدنا عبداللہ بن شخیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بنی عامر کے ایک وفد کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہم نے عرض کی آپ ہمارے سردار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا سردار صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو بابرکت اور بلند ہے۔ ہم نے پھر عرض کیا آپ ﷺ ہم سے افضل ترین اور بیشمار احسان کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ یا اس طرح کی مناسب باتیں کرو اور یاد رکھنا کہ کہیں شیطان

کے پھندے میں نہ آجانا۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اس بات کو بالکل پسند نہیں فرمایا کہ لوگ آپ ﷺ کے منہ پر مدح اور تعریف کریں تاکہ وہ غلو میں مبتلا ہو جائیں اور اس کی صراحت فرمائی کہ کسی کے منہ پر تعریف کرنے والا اگرچہ جس معاملے میں تعریف کی جارہی ہے، وہ اس میں موجود ہی ہو، شیطانی عمل کا مرتکب ہوتا ہے کیونکہ تعریف کرنے والا اپنے ممدوح کو بہت ہی پر عظمت اور اعلیٰ وارفع سمجھے گا تو اس کی تعریف کے گا اور یہ کمالِ توحید کے منافی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا ایک مخصوص انداز اور خاص مرکز ومحور ہے جس کے اردگرد عبادت کا پورا نظام گھومتا ہے اور وہ محور ہے کسی کی محبت میں اس کے سامنے انتہائی عجز وتذلل سے پیش آنا اور یہ عجز وتذلل خضوع و خشیت اور مسکنت کو مستلزم ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

جب تعریف اور مدح کی وجہ سے انسان کے دماغ میں بڑا پن یا فخر وعجب کی کیفیت ابھر آئے گی تو عبدیت کے خاصہ میں عظیم نقص پیدا ہو جائے گا جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بڑائی میری چادر اور عظمت میرا لباس ہے، جو شخص میری ان دونوں (صفات) میں سے کسی ایک کو چھیننے کی کوشش کرے گا میں اُسے عذاب دوں گا''۔(مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ)۔ایک روایت میں یوں ارشادِ نبوی ﷺ ہے: ''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کبر ہوا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا''۔(مسند احمد)۔اپنی مدح اور تعریف کو پسند کرنا بعض اوقات ذہنی اور دینی آفات ومصائب میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔یہ بات ہر شخص کے ذہن میں رہنی چاہیئے کہ عُجب اور فخر اعمالِ صالحہ کو اس طرح کھا جاتے ہیں جیسے آگ لکڑی کو۔

یہ احتیاطی تدابیر اس لئے اختیار کی گئیں تاکہ عقیدۂ توحید کی پوری طرح حفاظت کی جاسکے اور اس میں کوئی ایسی بات شامل نہ ہو جائے جو بنیادی طور پر اس کے مزاج کے منافی ہو۔اور پھر کہیں نوبت یہاں تک نہ پہنچ جائے کہ شرک اور اس کے جراثیم، اس کی اساس کو کمزور کردیں۔

کسی شخص کو ''السید'' کہہ کر پکارنے میں علماء کا اختلاف ہے۔علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب: ''بدائع الفوائد'' میں لکھتے ہیں: بعض علماء نے یہ لفظ کہنا ناجائز قرار دیا ہے۔یہ علمائے کرام اس باب میں اسی حدیث کو بطورِ دلیل پیش کرتے ہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کو یا سیدنا کہا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''السید اللہ تبارک وتعالیٰ''۔اور بعض علمائے کرام نے اس کو جائز ٹھہرایا ہے۔ان کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے انصاری ساتھیوں سے فرمایا تھا کہ ''اپنے سید کے لئے کھڑے ہو جاؤ''۔یہ حدیث پہلی

سے زیادہ قوی اور صحیح ہے۔ مگر دونوں احادیث میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ یہاں سیادت اضافی مراد ہے لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے، صحیح ہے۔ لفظ ''السید'' اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوگا تو اس وقت اس کے معنی: مالک، مولی اور ''ربّ'' کے ہوں گے۔ وہ معنی مراد نہیں ہوں گے جو مخلوق پر استعمال کرتے وقت مراد لئے جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ جن کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا: وہاں سیادت کے وہ معنی نہیں ہیں جن معنی میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

# فیہ مسائل

☆ مبالغہ آمیزی سے لوگوں کو ڈرانا۔ ☆ باوجود اس کے کہ لوگوں نے سچی اور حق بات کہی تھی لیکن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ''کہیں تم کو شیطان بہکا نہ دے''۔ ☆ رسول اکرم ﷺ کے اس فرمان کہ ''میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اُس مرتبہ سے جس پر اللہ کریم نے مجھے فائز کیا ہے، بڑھاؤ'' کی وضاحت۔

# باب

**ما جا فی قول اللہ تعالیٰ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَ السَّمَاوَاتُ مَطْوِیّٰتٌ بِیَمِیْنِہٖ سُبْحَانَہٗ وَ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ (الزمر:٦٧)**

ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے۔ (اس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔ پاک اور بالاتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

علامہ ابن کثیر اس آیت کریمہ کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ: ''اس میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ مشرکین نے اللہ کی کما حقہ قدر نہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کی عبادت کرنا بھی شروع کر دی۔ اللہ کریم اُس درجہ عظمت و بلندی والا ہے کہ دوسرا کوئی اس کو نہیں پہنچ سکتا۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کے تصرف میں ہے''۔

**عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قَالَ جَآءَ حِبْرٌ مِّنَ الْاَحْبَارِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ یَامُحَمَّدُ اِنَّا نَجِدُ اَنَّ اللّٰہَ یَجْعَلُ السَّمَاوَاتِ عَلٰی اِصْبَعٍ وَالْاَرْضِیْنَ عَلٰی اِصْبَعٍ**

**والشَّجَرَ عَلٰی اِصْبَعٍ وَ الْمَآءَ عَلٰی اِصْبَعٍ وَ الثَّرٰی عَلٰی اِصْبَعٍ وَسَآئِرَ الْخَلْقِ عَلٰی اِصْبَعٍ فَیَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ فَضَحِکَ النَّبِیُّ ﷺ حَتّٰی بَدَتْ نَوَاجِذُہٗ تَصْدِیْقًا لِّقَوْلِ الْحِبْرِ ثُمَّ قَرَاَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَ الْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ**

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک یہودی عالم رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ اے محمد (ﷺ) ہم اپنی کتاب میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کو ایک انگلی پر، زمینوں کو ایک انگلی پر، درختوں کو ایک انگلی پر، پانی کو ایک انگلی پر، کیچڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر رکھ کر فرمائے گا: میں ہی بادشاہ ہوں''۔ یہودی عالم کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اس کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے اتنے مسکرائے کہ آپ ﷺ کی ڈاڑھیں نمایاں طور سے نظر آنے لگیں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ ''ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اُس کی قدر کرنے کا حق ہے (اُس کی قدرتِ کاملہ کا حال تو یہ ہے کہ) قیامت کے روز پوری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی۔

**و فِی روایۃ لمسلم والْجِبَالَ وَ الشَّجَرَ عَلٰی اِصْبَعٍ ثُمَّ یَھُزُّھُنَّ فَیَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَنَا اللّٰہُ و فی روایۃ للبخاری یَجْعَلُ السَّمٰوٰتِ عَلٰی اِصْبَعٍ وَ الْمَآءَ وَ الثَّرٰی عَلٰی اِصْبَعٍ وَ سَآئِرَ الْخَلْقِ عَلٰی اِصْبَعٍ**

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ پہاڑوں اور درختوں کو ایک اُنگلی پر رکھ کر اور ان کو ہلا ہلا کر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی اللہ، معبودِ برحق ہوں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آسمانوں کو ایک انگلی پر، پانی اور کیچڑ کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا۔

**و لمسلم عن ابن عمر مرفوعا یَطْوِی اللّٰہُ السَّمَاوَاتِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ یَاْخُذُھُنَّ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ ثُمَّ یَطْوِی الْاَرْضِیْنَ السَّبْعَ ثُمَّ یَاْخُذُھُنَّ بِشِمَالِہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ**

صحیح مسلم میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے دستِ راست میں لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو سرکش اور متکبر سمجھا؟ پھر ساتوں زمینوں کو لپیٹ کر اپنے بائیں ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا کہ میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو سرکش اور متکبر سمجھا۔

یہ احادیث اور اس مفہوم کی دوسری احادیث مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور اس کی قدرت و

رفعت کے بارے میں واضح طور سے دلالت کناں ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ اس کے بندوں پر اس کی معرفت کے دروازے اس کی صفات کی بنا پر ہی کھلتے ہیں اور یہ تمام مخلوق اس کے کمال عجائب کی واضح علامت ہے جیسا کہ نصوصِ کتاب وسنت، سلف امت اور ائمہ کرام سے ثابت ہے۔ وہ اثبات بلا تمثیل اور تنزیہ بلا تعطیل ہے اس کی عبادت، ربوبیت، اور الوہیت میں کوئی اس کا مثیل اور ساجھی نہیں۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو ایمان کی بنیاد ہے اور جس پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔

مذکورہ بالا صحیح احادیث پر ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ رسول اکرم ﷺ نے ربِّ کریم کی کامل اور اس کی وہ عظمت ورفعت بیان کی ہے جو کہ اس کی ذاتِ کبریا کو زیبا ہے۔ اور بعض ان صفاتِ الٰہی کی تصدیق بھی فرمائی جن کا یہودی عالم نے ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال کے شایانِ شان ہے۔ اور اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ ان احادیث سے اللہ تعالیٰ کے عرشِ عظیم پر مستوی ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ (نعوذ باللہ) ان اسماء وصفات سے ظاہری معنی مراد نہیں۔ اور یہ بھی کہیں نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ ہیں۔ اگر یہ باتیں درست اور صحیح ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کے یہ امین ترین انسان اپنی اُمت کو ضرور بتاتے کیونکہ ربِّ کریم نے آپ ﷺ پر دین اسلام کو مکمل فرمایا اور تمام نعمتوں سے نوازا اور آپ ﷺ نے پوری وضاحت سے اس کو لوگوں تک پہنچا دیا۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعہم الی یوم الدین۔

اور دوسری طرف صحابہ کرام نے اپنے محسن اعظم ﷺ سے وہ تمام اوصاف کا علم حاصل کیا جو ربِّ کریم نے اپنی عظمت وجلات اور کمال کے سلسلے میں بیان کیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان سب پر ایمان لائے اور ان کو انہوں نے تسلیم کیا وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب پر ایمان لائے اُن سب صفات پر بھی ایمان لائے جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود اِن کے ایمان لانے کی تصدیق کرتے ہوئے فرماتا ہے: (ترجمہ) ''جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''ہمارا اُن پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہے''۔

تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، محدثین عظام اور تمام فقہاء بھی اسی طرح ایمان لائے اور اُنہوں نے بھی اسی طرح اللہ کریم کی صفات بیان کیں جس طرح کہ خود اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائیں۔ ان بزرگانِ دین نے اللہ کی کسی ایک صفت کا بھی انکار نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ اِن صفات کے ظاہری معنی مراد نہیں ہیں اور نہ یہ کہا کہ اِن صفات سے تشبیہ لازم آتی ہے بلکہ جن لوگوں نے تشبیہ دینے کی کوشش کی ان کا

مقابلہ کیا اور بڑی بڑی کتابیں لکھ کر ان کے شبہات کی تردید کا حق ادا کر دیا۔ یہ کتب آج تک اہل سنت کے ہاں معروف اور متداول ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے بطریق یونس روایت کی ہے جس میں ابن زید رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے والد محترم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں اُن سات درہموں کے برابر ہیں جو کسی ڈھال میں ڈال دیئے گئے ہوں''۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کی کرسی، عرش کے مقابلے میں ایک لوہے کے چھلے کی طرح ہے جسے کسی چٹیل میدان میں پھینک دیا گیا ہو''۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ پہلے اور اُس کے آگے والے آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور ہر آسمان کے درمیان پانچ پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اور ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور کرسی اور پانی کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اور عرش پانی کے اوپر ہے اور اللہ کریم عرش کے اوپر ہے۔ تمہارے اعمال میں سے کوئی شے اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آسمان اور زمین کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِن دونوں کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ اور ہر آسمان سے دُوسرے آسمان تک پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور ہر آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ساتویں آسمان اور عرش کے درمیان ایک سمندر ہے، اُس کے نچلے اور اُوپر کے حصے کا فاصلہ وہی ہے آسمان اور زمین کے درمیان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے اوپر ہے اور اعمالِ بنی آدم میں سے کوئی عمل اس سے مخفی اور پوشیدہ نہیں ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کتاب اللہ ابتدا سے انتہا تک سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین عظام اور تمام ائمہ کا کلام اس سے بھرا پڑا ہے کہ ربِّ کریم ہر چیز سے بلند ہے اور یہ کہ وہ آسمانوں اور زمینوں سے اوپر عرش پر ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات اس پر شاہد ہیں: (ترجمہ) ''اُس کے ہاں جو چیز اُوپر چڑھتی ہے وہ صرف پاکیزہ قول ہے اور عمل صالح اس کو اُوپر چڑھاتا ہے'' (الفاطر:۱۰)۔ ''اے عیسیٰ! اب میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا''۔ (آل عمران:۵۵)۔ ''بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا''۔ (النساء:۱۵۸)۔ ''عروج کے زینوں کا مالک

ہے، ملائکہ اور رُوح اُس کے حضور چڑھ کر جاتے ہیں''۔ (السجدۃ:۵)۔''اپنے رب سے جو اُن کے اوپر ہے ڈرتے ہیں''۔ (النحل:۵۰)۔''وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ پھر اُوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان استوار کئے''۔ (البقرۃ:۲۹)۔''درحقیقت تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر عرش پر بلند ہوا۔ جو رات کو دن پر ڈھانک دیتا ہے اور پھر دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے، جس نے سورج اور چاند اور تارے پیدا کئے، سب اُس کے فرمان کے تابع ہیں۔ خبردار ہو! اُسی کی خلق ہے اور اُسی کا امر ہے۔ بڑا بابرکت اللہ سارے جہانوں کا مالک و رَبّ'' (الاعراف:۵۴)۔''حقیقت یہ ہے کہ تمہارا ربّ وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا پھر عرش پر بلند ہوا اور کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ کوئی شفاعت (سفارش) کرنے والا نہیں ہے۔ اِلا یہ کہ اُس کی اجازت کے بعد شفاعت کرے'' (یونس:۳)۔ اس آیت میں توحید الوہیت اور توحید ربوبیت دونوں کا بیان ہے۔''وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو ایسے سہاروں کے بغیر قائم کیا جو تم کو نظر آتے ہوں پھر وہ عرش پر بلند ہوا'' (الرعد:۲)۔ ''نازل کیا گیا ہے اُس ذات کی طرف سے جس نے پیدا کیا ہے زمین کو اور بلند آسمانوں کو۔ وہ رحمٰن عرش پر بلند ہے''۔ (طہٰ:۴ تا ۵)۔ ''اور (محمد ﷺ) آپ اُس ذات پر بھروسہ رکھو جو زندہ ہے اور کبھی مرنے والا نہیں۔ اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔ اپنے بندوں کے گناہوں سے بس اُسی کا باخبر ہونا کافی ہے، وہ جس نے چھ دنوں میں زمین اور آسمانوں کو اور اُن ساری چیزوں کا بنا کر رکھ دیا جو آسمان و زمین کے درمیان میں ہیں پھر آپ ہی عرش پر بلند ہوا۔ رحمٰن اس کی شان بس کسی جاننے والے سے پوچھو''۔ (الفرقان:۵۸، ۵۹)۔''وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن ساری چیزوں کو جو اُن کے درمیان ہیں چھ دنوں میں پیدا کیا اور اُس کے بعد عرش پر بلند ہوا۔ اُس کے سوا نہ تمہارا کوئی حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اُس کے آگے سفارش کرنے والا، پھر کیا تم ہوش میں نہ آؤ گے؟ وہ آسمان سے زمین تک دنیا کے معاملات کی تدبیر کرتا ہے، اور اُس تدبیر کی رُوداد اُوپر اُس کے حضور جاتی ہے، ایک ایسے دن میں جس کی مقدار تمہارے شمارے سے ایک ہزار سال ہے''۔ (السجدہ:۴، ۵)۔''وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا اور پھر عرش پر بلند ہوا۔ اس کے علم میں ہے جو کچھ زمین میں جاتا ہے اور جو کچھ اُس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اُترتا ہے اور جو کچھ اُس میں چڑھتا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔ جو کام بھی تم کرتے ہو اُسے دیکھ رہا ہے''۔ (حدید:۴)۔ ''کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تمہیں زمین

میں دھنسا دے اور یکا یک زمین جھکولے کھانے لے؟ کیا تم اِس سے بے خوف ہو کہ وہ جو آسمان میں ہے تم پر پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیج دے۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میری تنبیہ کیسی ہوتی ہے۔ یہ ایک حکیم وحمید کی نازل کردہ چیز ہے۔(حم السجدۃ:۱۶۔۱۷)۔ ''اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکیم ہے''۔(الجاثیہ:۲)۔''فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں راستوں تک پہنچ سکوں، آسمانوں کے راستوں تک اور موسیٰ کے معبود کو جھانک کر دیکھوں۔ مجھے تو یہ موسیٰ جھوٹا ہی معلوم ہوتا ہے''۔(المؤمن:۳۶۔۳۷)۔

علامہ الذہبی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور تصنیف ''کتاب العلو'' میں صحیح اسناد سے اُم المؤمنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ذکر کیا ہے؛ آپ ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' کے بارے میں فرماتی ہیں:''استواء کے معنی معلوم ہیں اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں ہے۔ اور اس کا اقرار کرنا ہی ایمان ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے''۔

ابن المنذر اور لالکائی وغیرہ نے اپنی اپنی کتب میں صحیح اسناد سے ذکر کیا ہے کہ سفیان بن عینیہ کہتے ہیں کہ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا:''استواء کی کیا کیفیت ہے؟ اُنہوں نے کہا استویٰ کا معنی معلوم ہے، اس کی کیفیت سمجھ میں آنے والی نہیں۔ اللہ تعالیٰ احکام نازل فرماتا ہے اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذِمہ ان کی تبلیغ ہے اور ہمارا فرض ان کی تصدیق کرنا ہے''۔

ابن وہب رحمہ اللہ کہتے ہیں:''ہم امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اے ابوعبداللہ: قرآن کریم میں یہ آیت ہے کہ ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' استوی کی کیفیت کیا ہے؟ اس کے متعلق ہمیں بتایا جائے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے یہ سوال سن کر سر جھکا لیا اور پسینہ پسینہ ہو گئے۔ پھر فرمایا ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى'' کو ہم اسی طرح مانتے ہیں جیسے اس نے اپنے لئے استعمال کیا ہے۔ اس کی کیفیت کے بارے میں ہرگز سوال نہ کیا جائے کیونکہ اللہ کے لئے کیفیت کا سوال ہی نہیں ہوتا البتہ تو بدعتی ہے (کیونکہ تو نے سوال ہی ایسا کیا ہے)۔ اسے میری مجلس سے نکال دو''۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے ثبوت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین، اور سلفِ اُمت کے اقوال اور شواہد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔ اس لئے ہم چند اقوال پر اکتفا کرتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور دوزخ کافروں کا ٹھکانہ

ہے۔عرش پانی کے اوپر ہے اور عرش کے اوپر رب العالمین ہے۔اس کو طاقتور فرشتوں نے اٹھا رکھا ہے اور یہ اللہ کے وہ فرشتے ہیں جو نشان دار ہیں۔

تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ کریم اپنی ذات کے ساتھ عرش پر مستوی ہے اور اس کا عرش پر مستوی ہونا حقیقی ہے مجازی نہیں۔البتہ اُس کا علم ہر جگہ میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا جس نے سب سے پہلے انکار کیا وہ جعد بن درہم تھا۔اُس نے جہاں استوی علی العرش کا انکار کیا وہاں تمام صفات کا بھی انکار کیا ہے۔اس بدعقیدہ شخص کو خالد بن عبداللہ القسری نے قتل کر دیا تھا۔ یہ واقعہ بہت مشہور ہے۔ جعد بن درہم کے عقیدۂ بد کو جہم بن صفوان نے پروان چڑھایا جس کو فرقہ ءجہمیہ کا امام کہا جاتا تھا۔اس نے اس عقیدہ کی خوب تشہیر کی۔اور متشابہ آیات سے استدلال کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کیا۔جہم بن صفوان تابعین کے آخری دور میں ہوا ہے۔اس کے اس بدعقیدہ کی تردید میں اِس دور کے جید علماء کرام اور ائمہ نے کی۔امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ، امام مالک، لیث بن سعد ثور، حماد بن زیر، حماد بن سلمہ، ابن المبارک رحمہم اللہ تعالیٰ۔اور ان کے بعد کے آئمہ ہدیٰ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دی تھیں۔

اس سلسلے میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے جو زرین حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔امام صاحب فرماتے ہیں:''اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اتنے ہیں کہ جن کی تردید ممکن نہیں ہے۔دلائل معلوم ہو جانے کے بعد جو شخص انکار کرے اُسے کافر قرار دیا جائے گا البتہ دلائل معلوم ہونے سے پہلے ایسے شخص کو اُس کی جہالت کی وجہ سے معذور سمجھا جائے گا۔ہم ان تمام صفات کو ثابت کرتے ہیں اور تشبیہ کی تردید کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے تشبیہ کی تردید فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں۔اور وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے''۔

# فیہ مسائل

☆ اس حدیث میں جن علوم کا ذکر کیا گیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور کے یہودیوں میں موجود تھے، اسی لئے نہ تو اُنہوں نے اِن کی تاویل کی اور نہ انہیں جھٹلایا۔ ☆ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہودی عالم نے اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بیان کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی اور اس کی مزید تصدیق کے لئے

## عرض ناشر

عالم اسلام میں محبت و یگانگت کے داعی اور رہبر ملتِ اسلامیہ، سعودی عرب کے عظیم رہنما شاہ فیصل رحمہ اللہ نے پاک و ہند کے اُردو دان طبقے اور خصوصاً مسلمانوں کے لئے ''ہدایۃ المستفید'' نامی کتاب 1974ء میں چھپوا کر فری تقسیم کروائی۔ اُن کی شہادت کے بعد یہ عظیم کتاب غائب ہوگئی اور آج تک ناپید ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں 1686 صفحات پر مشتمل تھی۔ اُردو میں شائع ہونے والی کتب میں اُس وقت سے لے کر آج تک اتنی اعلیٰ و عمدہ اور جامع کتاب شائع نہ ہوسکی۔ کمپیوٹر کے اس جدید دَور میں بھی اس کتاب کے معیار پر پورا اُترنا، اس کی کتابت، تزئین و آرائش وغیرہ تقریباً ناممکن ہے۔ اس شاہکار کتاب کو آج کے اِس مصروف ترین دَور کے باسیوں کے مزاج کے مطابق بنانے کے لئے اس کو ''مختصر'' شکل میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ مسلمانانِ اسلام کم وقت میں بھی اس سے استفادہ کرسکیں۔ اختصار کرتے وقت بعض عربی عبارات کو حذف کرتے ہوئے، اُن کا صرف ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ جو چیزیں مکرّر تھیں انہیں ایک دفعہ لکھنے کی کوشش کی گئی۔ اور کئی اقوال ایسے تھے کہ جو ایک جیسے ہی معانی رکھتے تھے، چنانچہ ان میں سے کسی ایک جامع قول کو ہی لیا گیا۔ اصل کتاب میں کئی صفحات پر پھیلی ہوئی عبارات کو ایک ہی جگہ جمع کردیا گیا اور پھر اس کے متعلق جو ارشادات تھے وہ نقل کر دیئے گئے۔ اگر اس کتاب کے اختصار کا حق ادا ہوگیا ہو تو یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور کرم نوازی ہے اور اگر اس میں کوئی نادانستہ کمی و کوتاہی ہے، لفظی اور کمپوزنگ کی اغلاط ہیں تو یہ ہماری طرف سے ہوگا جس کے لئے ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں اور آپ سے اپیل کرتے ہیں کہ آپ ہمیں ضرور مطلع کریں تاکہ اس کو درست کیا جاسکے۔ جزاکم اللہ خیرا

**نوٹ:** جو صاحبِ خیر اس کتاب کی اشاعت اور فری تقسیم میں دلچسپی رکھتے ہوں اُن کیساتھ ہر ممکن تعاون کیا جائے گا۔

ابوعلی وابن ابراہیم۔

قرآن کریم بھی نازل ہوا۔ ☆ یہودی عالم کی طرف سے جب اِس عظیم علم کا اظہار ہوا تو اس پر رسول اللہ ﷺ کا مسکرانا۔ ☆ اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کے ثبوت کی وضاحت اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سیدھے ہاتھ میں آسمان اور دوسرے میں زمینیں ہوں گی۔ ☆ اللہ تعالیٰ کا اپنے ایک ہاتھ کو بایاں بتانے کی صراحت۔

☆ اُس وقت اللہ تعالیٰ کا بڑے بڑے سرکش اور متکبرین کو پکارنا۔ ☆ بنسبت آسمان کے کرسی کا بڑا ہونا۔ بنسبت کرسی کے عرش کا بڑا ہونا۔ ☆ کرسی، پانی اور عرش تینوں کا الگ الگ ہونا۔ ☆ دو آسمانوں کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ (کی وضاحت)۔ ☆ ساتویں آسمان اور کرسی کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ (کی کیفیت)۔ ☆ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر ہے۔ ☆ زمین و آسمان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ (کی وضاحت)۔ ☆ آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے۔ ☆ ساتوں آسمانوں کے اوپر جو سمندر ہے اُس کے نیچے اور اوپر پانچ پانچ سو سال کی مسافت کا راستے ہے (واللہ اعلم)۔

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

**ابن ابراہیم وابوعلی**

۲۵ شعبان ۱۴۲۶ھ ۲۹ بمطابق ستمبر ۲۰۰۵ء